



افکار ترجمہ کتاب تفسیر تاجدیدی فی آیات احکام الشریعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پروردگار عالم کو حمد و ثناء ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل فرمائی اور اسکو
مفضل کیا اور اسکو سمین لطائف و اسرار و آیات و آثار و دہیت رکھو تاکہ اہل عقل
کیواسطے تذکرہ اور طالب تکمیل کیواسطے تبصرہ ہو اور اسکو تمام کتب و انوار سے
قدرو عزت و علم کے برتر گردانا اور اسکو حلاوت بیان و بلاغت کلام و حسن
تفسیر و تاویل سے برگزیدہ کیا وہ کتاب قرآن مجید و فرقان حمید زبان عربی میں
ہو جس میں کوئی نقص نہیں ہو اور مومنین کیواسطے وہ ہدایت و بشارت ہے اور اسکو
بوساطت روح الامین یعنی جبریل علیہ السلام نازل فرمایا تاکہ تمام حالات اولین
و آخرین پر ادکوا گا ہی ہو اور زمین و آسمان کے امور اپر روشن ہوں اور اس
سے تمام علوم شرعیہ کے اصول و فروع معلوم ہو جائیں اور مختلف علوم و فنون
و صناعات حاصل کر سکیں کیونکہ یہاں بہت قلیل علم دیا گیا ہے پھر بعض گمراہ ہو گئے ہیں
اور بعض راہ راست پر چلے پس جو لوگ صاحب ہدایت ہوتے ہیں وہ اسکو
اقوال کی تصدیق اور اسکو احکام کی تقلید و تعمیل اور اسکی تلاوت میں سرگرم

رہتے ہیں اور جنکو شقاوت نے ضلالت میں ڈال دیا ہے وہ مذموم و مخذول ہو گئے ہیں
اور قریب تر ہے کہ وہ کہیں گے اے کاش ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
اتباعین سے ہوتے پس اسے خدای بزرگ و برتر اور اسے صاحب جلال و جمال تو درود
پیچ ادس نبی پر جو ہمیشہ جاری و نای رہا اور اسکی درازی و امتداد کی انتہا نہ ہو
اور ادن لوگوں پر جنھوں نے اسکی اعانت کی اور اسکی بنیاد کو مضبوط کیا اور اسکو
روح دیا اور اسکی ارواح مقدسہ کو جسے راضی کر اور ہمارا تحیۃ و سلام اور کو پہنچا
اور اسکی برکات کو پہنچا اور اسکے فتوحات کو قائم رکھ ۔

اما بعد تمام مطالب سے زیادہ نفع بخش زمانہ حال و آئندہ میں از روئے منقبت
و کمال کے علوم دینی اور معارف یقینی میں اور علم قرآن ان دونوں کو حاوی اور
دونوں سے ارفع و اعلیٰ ہوا اور سلف صالحین نے اس میں بہت کوشش فرمائی اور
حتیٰ اوسے سہمی بلخ کی یہاں تک کہ اسکی تحقیق کیواسے سطلے علوم وضع کئے اور اس کے
اصول و فروع اور اسکے اقسام اور ابواب قرار دئے اور کتابیں ترتیب کیں
چنانچہ بعض نے ضابطہ فارج حروف کو مدون کیا اور سکا نام علم قرات رکھا اور
بعض نے حرکت و سکون الفاظ کا قاعدہ مقرر کیا اور سکا نام علم نعت رکھا اور بعض نے
استعمال الفاظ کا زمانہ حال و استقبال میں قائم رکھنے کو علم صرف مکمل کیا اور بعض
نے اعراب و حرکات کلمہ کی حقیقت کو مندرج کیا اور اسکا نام علم نحو رکھا اور بعض
نے اسکی فصاحت و بلاغت و وجوہ اعجاز سے بحث کی اور اسکا نام علم بیان رکھا
اور بعض نے اسکی معانی و تدفیع مبانی پر کوشش کی اور سکا نام علم تفسیر رکھا اور بعض
نے اسکی اولہ تعلیہ اور شواہد اہل علیہ سے خلا و ندعالم کی وحدانیت اور قدرت کاملہ

ثابت کیا اور اسکا نام علم کلام رکھا اور بعض نے اس کے رد اور خطابات کو
غور کیا کیونکہ بعض عام ہیں اور بعض خاص بعض شرح اور بعض غیر شرح ہیں اور
اس کے قواعد منحصر گرداؤ اور اسکا نام علم اصول رکھا پھر اوس میں غور و فکر کے
ساتھ مسائل علت و حرکات اشیا اخذ کئے اور اسکا نام فقہ رکھا اور بایں ہمد و کو
اسرار کو حاصل کرنے کے اگرچہ اس کو ظاہر اور بدیہی امور تک پہنچائے کیونکہ وہ ایک
ایسا بحر ناپید کتاب ہے کہ اس کے جواہرات معدود نہیں ہو سکتے اور ایسا دشت
دریغ و یشمار ہے کہ کوئی اس کی گزرگا ہو نہ کوئی نہیں پاسکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ (ما فرطنا فی الكتاب من شیء) اور فرمایا (لا یدب ولا یابس الا فی کتاب مبین)
اور فرمایا (اتزلنا علیک الكتاب تبیاناً لکل شیء) پس کوئی ایسی شے نہیں جس کا
استخراج قرآن مجید سے ممکن نہ ہو یہاں تک کہ بعض نے اس کو علم ہیئت و علم
ہندسہ و علم نجوم و علم طب اور اکثر علوم عربیہ استخراج کئے ہیں اور بعض نے عدد
عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استخراج کیا کہ کہ تریشہ میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ النبی
میں فرماتا ہے (و دن یؤخر الله نفسا اذا جاء اجلها) یہ آغاز ہے تریشہ سورۃ نوح کا
فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی جب کوئی حدیث میری تکو ہو چنے تو اسکو
کتاب اللہ سے مطابق کر دو اگر موافق حکم الہی ہو تو قبول کر دو ورنہ چھوڑ دو اس
سے ثابت ہوا کلام اللہ مصدق احادیث بھی ہے اور قاضی ابو بکر نے اپنی
کتاب قانون التاویل میں بیان کیا ہے کہ قرآن شریف میں پچاس علم ہیں اور چار
سو علم اور سات ہزار علم ہیں اور تہذیب علم میں باعتبار تعدد کلمات قرآن مجید
کے جبکہ انکو چار میں ضرب کیا جائے اس واسطے کہ ہر کلمہ میں ظاہر ہے اور باطن

ایک اور حدیث اور قطع ہوا اور یہ تعداد باعتبار مفردات کے ہر نہ مرکبات کے
 کیونکہ باعتبار مرکبات در وابط کے اسکی تعداد بغیر علم الہی کوئی نہیں جان سکتا
 اب بحیثیت اس معانی ظاہریہ کی جیسا کہ فقیہ ابواللیث نے بیان کیا ہے سنا
 قسین ہوتی ہیں بقصص انبیاء اخبار آمیزہ وعدہ و بشارت وعید و انداز امثال
 مواظع احکام شرعیہ مثل امر و نہی و قصص ماضیہ میں ذکر ابتدائی خلق عالم و آسمان
 و زمین و ماتحت الارض و خلق آدم و حیات وغیرہ پھر تفریق انکی مختلف مذاہب میں
 اور خلقت آدم سے تمام انبیاء کا ذکر جو انکے بعد ہوئے مثلاً ادریس و نوح
 و ہود و صالح و لوط و ابراہیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب و یوسف اور انکے بھائی
 اور ذی الکفل یعنی یوشع و شیب و موسیٰ و ہارون و لیس و الیائس و ذی النون
 یعنی یونس وغیرہ و دار و سایمان و ایوب و ذکر یار و یحییٰ و عیسیٰ و محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 سہ اوکے اسماء اور انھیں و شمعون و حضر و خرقیل بغیر اسماء کے اور علاوہ انبیاء کی
 مثل اصحاب فیل و اصحاب کہف و اصحاب س و قوم تبع و یاجوج و ماجوج و اصحاب
 الاخدود و عاد و ثمود و قبائل سوا و مثل مریم و زلیخا و بلقیس و زن و فرعون و زن
 نوح و زن لوط و عورتوں سے اور مرد و دوشاد و جالوت و بخت نصر و فرعون و ہامان
 و قارون و آذر و عمران و بشری و ہارون و بلعم و باعور و ابیل و قابیل و حکیم و لہستان
 و ذی القرنین و اوسین سوا و جبریل و میکائیل و ماروت و ماروت و وعد و برق
 و مالک خازن جہنم و تخیل و قیید ملائکہ سے اور زید و ابولہب اور اکثر اصحاب رسول اللہ
 صلعم اور کفار اور منافقین اور آنحضرت سے محاربہ کرنے والے اور آنحضرت کے
 محاربات و ہجرات وغیرہ جو زیادہ تفصیل کے محتاج تھے اور اخبار آمیزہ میں سے

لو کہ ہر موت بنی آدم کا اور اس کی کیفیت اور جو کچھ کہ اس کے بعد مرگ پیش آئے اور
 احوال قبر و ثواب و عذاب و علامات قیامت کبریٰ مثل دجال و یاجوج و ماجوج و غیر
 کے اور نجات صورت و حساب و رحمت و دوزخ اور جو کچھ اس میں نعمتیں اور امتحان
 ہیں اور جہنم اور میزان اور شفاعت و صراط و انہار و غیرہ اور امثال میں ایک وہ
 بیان پر جو ہمیں ظاہر ذکر مثال کیا ہے جیسے قولہ تعالیٰ مَثَلُ مَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ
 درمیان وہ بیان ہے جس سے مثال مستنبط کی گئی ہے جیسے مثال خیر الامور و سباطہا
 قولہ تعالیٰ (لَا تَارِضُوا لِمَا يَكْفُرُونَ بِهِ إِنَّهُ كَانَ فِي ذَلِكُمْ لَعَذَابٌ لِّأُولَئِكَ
أَلْتَفَقُوا لَمْ يَسِرُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا) و قولہ تعالیٰ (وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ) و قولہ تعالیٰ (وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا) اور
 علیٰ ہذا القیاس لیکن بیان سوا عطا وہ کلام اللہ میں بہت کثرت سے ہے کیونکہ خاص
 اس کے واسطے تو نازل ہی کیا گیا ہے اور احکام شرعیہ میں وہ تمام علوم قرآنی سے
 برتر ہے اور اعلیٰ معلومات فرقانی ہے کیونکہ وہ باوجود قلت کو تمام اُن امور پر حاوی
 ہے جس سے کل مشروعات مستنبط ہو سکتے ہیں اور نیز صحابہ و تابعین و فقہاء و مجتہدین
 کو علم کے بعد دیگرے حاصل ہوئے گئے اور میں بزرگوں کی زبانی مدت سے سنا کرتا
 تھا کہ اہم غزالی علیہ الرحمہ جو علماء دین سے ایک بہت بزرگ شخص ہوئے ہیں انہوں
 نے آیات احکام بحیثیت طاقت و امکان کے جمع کیے ہیں یہاں تک کہ وہ پانچ سو
 ہوئے ہیں بلا کی بیشی کو پس میں ایک مدت تک اسی پر قائم رہا یہاں تک کہ میں نے
 علماء کرام کے علم اصول پر اطلاع پائی اور اس میں بھی یہ قصہ عجیب پایا تب تو میری یقین
 اور بھی زیادہ ہو گیا اور میں نے اس کا تفصیل کرنا شروع کیا اور ہر وقت اٹھ کر بیٹھتے

ان آیات کی تلاش رہی لیکن میں نے کہیں اس کا نشان پایا تو میں زبان الہامی سے مامور کیا گیا تاکہ خود ان آیات کو مردا کھو سے تلاش کروں اور کلام اللہ سے اس کا استخراج کروں پس میں نے جمع کین تمام وہ آیتیں جن کو تمام تفسیر اور قواعد اصولیہ اور مسائل علم کلام مستنبط کئے گئے ہیں اور تفسیر کی ہیں نے ان آیات کی ایسی طرح اور شرح کی اور میں نے اخذ کیا ان کے معانی کو علماء کرام کے کلام سے اور کتب معتبرہ سے جو اہل علم و ائمہ میں معتبر و معتبرین اور یہ تفسیر صرف ایک علم یافین سے نہیں لکھی گئی بلکہ مختلف علوم و فنون سے اس میں کام لیا گیا ہے پس کتب تفسیر سے جن کو میں نے اپنا ماخذ گردانا انوار التنزیل و مدارک التاویل اور اتقان فی علوم القرآن اور تفسیر شیخ الرئيس المرووف و تفسیر الشریعۃ النوری اور تفسیر شیخ اکبر علی حسین واعظ کاشفی کے اور تفسیر جارا اللہ علامہ کو اور کتب فقہ سے شرح وقایہ الراویہ معہ حاشیہ کے اور ہدایہ مع شرح کے اور فتاویٰ حمادیہ مسائل فقہ میں مصنف امام اجل فخر الاسلام علی بزدی کا مع کشف و شرح شیخ الہدایہ البہاری اور کلام شیخ الحسام سے اور تصنیف امام حافظ الدین البخاری اور کتاب توضیح مع ادبی شرح تلویح کے اور مختصر الاصول ابن الحاجب معہ اس کی شرح مشہور کے اور علم کلام کے کتابوں کی شرح عقاید مصنفہ ملا سعد الدین تفتازانی معہ حاشیہ خیالی کے اور شرح شریف سید السند کو موافقت پر جو مشہور ہو تاضی عضد الدین کے اور بعض مواقع پر کتب سیر و محدثین سے بھی میں نے استنباط کیا ہے جیسا کہ بعض مفسرین کا طریقہ ہے اور نکات لطیفہ و بحاث شریفہ اس میں ایسی بیان کی ہیں جو میں نے دیگر لغات میں اشارتاً ہی نہیں پائی اور میں نے وہ آیات اختیار کی ہیں جن میں صراحتاً مسائل

مذکور ہیں یا اشارت قریبہ واللت کرنا ہو اگرچہ زیادت قسم میں بھی مسائل مستخرج ہو سکتے
 ہیں لیکن اونکے واسطے تکمیل تفسیر اور کثرت سائنہ کی ضرورت ہے جسکی فرصت زمانہ نہیں
 دیتا اور غزالی علیہ الرحمہ اس موقع پر بہت اچھا کہا ہے *افذا لکم فی توفیہ و توفیہ*
 اور صاحبہ تاتان کہ کل مسائل مصرحہ و مبین اکیسویچاس ہیں اور یہ تمام نہادری
 ہیں کہ ہرکو توفیق حفظ قرآن عطا فرمائی اور ذکر فرقان حیدر کی توفیق دی میسہ ہی
 اہم ہوتی ہے میں جو تشریحات سال کی ہوگی اگرچہ محض ورق گردانی کیوں نہ ہو اسکی
 بعد توفیق تکمیل علوم دینیہ تحصیل فتون شرعیہ عطا فرمائی تاکہ سولہواں سال ہو گیا
 اور علم اصول میں کتاب خمسای شرع کی اوس وقت میں اس کتاب کے آغاز کا فکر کیا
 باوجود تفکرات پے درپے کے اور باوجود ایسے زمانہ کے کہ جمیع علوم دینیہ و اسلامیہ
 کا عدم ہو گئے ہیں اور علوم عقلیہ کار واجد اجرا ہیں جبکہ میری عمر کا اکیسواں
 سال تھا سائنہ جبری میں اور میں شرح مطالع الانوار کا مطالعہ کرتا تھا اس کتاب
 کو چونکہ اللہ تعالیٰ ختم کیا اور اسکا نام تفسیرات احمدیہ فی بیان الآیات الشریعہ
 رکھا اور یہ زمانہ ہی کہ سایہ بادشاہ عالم دراز ہی اور نشان شرع معزز ہے
 اور علوم شریعت و احکام طہارت غالب ہیں اور رسومات کفر و نجاست منہدم
 ہیں اور اقامت حدود و جماعت تمام عالم میں شرقا و غربا قائم ہو اور یہ تمام
 خوبیاں بہ سبب برکت سلطنت سلطان المؤمنین مالک زمانہ العالمین ناصر الشریعہ
 القومیہ سالک الطریقہ المستقیمہ باسط سما و العدل والا انصاف مادم اسدس
 الجود الاعتساف مروج الشریعہ انعموسس الملتہ المہنیۃ الیضا صاحب المغافر
 والمآثر جامع المراتب المناقب محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر کہ ہمیشہ

ریز واسطے پشت پناہی افاضل و انام کے اور محفوظ رہے حوادث ایام کو
 اور ہمیشہ محافظ رہی دین اسلام کا بہ طفیل نبیؐ اور اسکی اولاد کو و ربی پر اور
 اسکی آل و اولاد پر صلوة و سلام ہو۔ ہماری یہ دعا کسی طسبع و نیو کی غرض سے
 نہیں ہے بلکہ خالصاً شد و ازدیاد دین کی امید پر ہے کیونکہ نہ میں اس شان کا
 آدمی ہوں اور نہ اس سید انگی شہسوار و مین مجھ کو صرف یہی کافی ہے جو اس کے
 فضائل میں ترویج دین اسلام میں ہر وقت دیکھتا ہوں پس پاک ہو تو اسے خدا
 جو ہمارے بھیدوں سے واقف ہو اور ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرماتا ہو اور
 تو جو کونستین بخشا ہو اور تو ہم پر کرم کرتا ہو تو ہماری تصدیق کو قبول فرما اور ہماری
 تالیف کو عالم میں رائج کر اور ہماری دوستوں کا قلب اتفاق و خلق عظیم پر قائم و ثابت
 رکھ اور ہماری دشمنوں کے دلوں کو الطاف و کرم عظیم کی طرف منہ پھیر تو ہی اسے خدا
 علیم حکیم ہے اور تو ہی رؤف و رحیم ہے

سورۃ الفاتحہ

سورۃ فاتحہ ام القرآن ہے اور اصل و ریس و خلاصہ قرآن مجید ہے جو کچھ کلام اللہ
 میں مفصل ہے وہ اس میں مجمل ہے اور کیونکہ نہ ہو کہ نہ کتاب اپنے دیباچہ پہنچاتی جاتی
 ہو پس اس میں احکام فقہی ہیں قواعد اصول بھی ہیں مسائل علم کلام بھی مثل اثبات حاجب
 تعالیٰ اور صفات الہی اور اس کا خالق افعال عباد ہونا اور حرام و حلال کا مرتق
 ہونا اور اہل جنت کی واسطے نعمت جنت و اہل دوزخ کی واسطے عذاب جہنم اور عبادت
 میں خلوس ہونا اور ہدایت و گمراہی کا منجانب اللہ ہونا اور چارویں نبی علیہ السلام کا

بعض امور میں موافق مذہب اہل یہود و نصاریٰ کو ہونا اور واجب ہونا ابتداء
طریقہ مؤمنین کا خصوصاً اہل سنت و جماعت کا وجہ ہونا اجماع کا اور مثل او کے
بہت سے امور میں لیکن غرض دیگر سے ظاہر ہو سکتے ہیں چونکہ یہ تمام امور کلمہ انشاء
تعالیٰ مفصلاً دیگر آیات کی تفسیر میں آجاء و پیشے اس واسطے ان امور کی استخراج
کی اس سورت سے چند ان ضرورت نہیں اس واسطے اس سے پہلو تہی کی اور سورۃ
بقرہ سے آغاز کتاب کرنا شروع کیا

سورۃ البقرہ

پہلا مسئلہ یہ کہ اباحت تمام اشیاء کی اصل ہو چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ فی
قوله تعالیٰ ﴿وَالَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ
سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ مخاطب کرتا ہے اس سے
کفار کو یا مؤمنین کو یا دونوں فریق کو ترجمہ وہ ایسا خدا ہے کہ جو کچھ زمین میں ہے
سب تمہارے واسطے پیدا کیا پھر افلاک کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان بنا
اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ واضح ہو کہ اور لکھ میں لام واسطے معنی اتقاع
کے ہیں یعنی جو کچھ زمین میں ہو وہ سب تمہارے دینی نفع کی واسطے پیدا کیا گیا ہے
اور نیز اس غرض سے کہ اسکی رنج و راحت وغیرہ سے تم اخروی رنج و راحت کا اندازہ
کر سکو پس اس حکم سے بعض ذریعہ نکالا کہ اباحت اصل ہی تمام اشیاء کی جیسا کہ ایک
گروہ کا مذہب ہے بخلاف جھوٹے علماء اہل سنت کہ میں بعض علماء کے نزدیک اصل
اشیاء حرام ہے اور ہمارے نزدیک اباحت رہا کی اصل ہے بخلاف امام شافعی کے

جیسا کہ ہدایہ کے باب الزواہین میں شرح لکھا ہوا ہے اور فی الحقیقت معنی اس آیت کے دلیل میں اباحت اشیاء پر جیسے کہ تصریح کی اُسکی صاحب کشف نے کہ تمام وہ اشیاء جو تمکو نفع رسان ہیں مباح کی گئیں یعنی جنہیں عقلاً یا عاقلانہ امتحان نہ ہو وہ کل چیزیں مباح ہیں اور بھی ہر ایک قائم کی صاحب مدارک نے اور لکھا کہ استدلال کیا اس سے کہ فی اور ابو بکر رازی اور معتزلہ نے کہا جو اشیاء نفع بخش ہیں عقلاً یا تجربہ سے وہ سب مباح ہیں اور ذکر کیا امام فخر الاسلام نے معاوضہ کی بحث میں کہ جب وہ وجود حلت و حرمت کی پیش آوین تو ترجیح دیجاوگی وجہ حرمت کو اس واسطے کہ وہ مؤخر ہے یعنی حلت اصل اشیاء ہے اور حرمت اُسکی تارضہ لیکن جب ہم اباحت کا استعمال کریں گے تو تکرار ناسخ لازم آئیگی اس واسطے کہ پہلے کل اشیاء مباح ہوتیں پھر حرمت کا حکم اوس حکم اباحت کا نسخ ہو گیا پھر اباحت عارضی کا حکم حرمت کا ناسخ ہوا پھر کہا یہ اُس حالت میں ہو گا جبکہ اباحت اصل اشیاء قرار دیا جائے اور ہم اوسکے قائل نہیں اس واسطے کہ بنی آدم نے کسی وقت میں کسی چیز کو خالی نہیں چھوڑا پھر اگر اباحت اصل اشیاء کی ہوتی تو بندگان خدا غیر مکلف ہوتے حاجت احکام حرمت شرعی کی نہوتی اور ہم اس امر کے قائل ہیں کہ اباحت کا اصل اشیاء ہونا اور حرمت کا اوسکا ناسخ ہونا جائز نہی زمانہ فطرت میں یعنی اوس زمانہ جاہلیت میں جو درمیان حضرت علیؑ اور نبی آخر الزمان علیہ السلام میں گذرا و سو وقت تمام اشیاء کی اصل اباحت تھی پھر ہماری نبی علیہ السلام تشریف لائے اور محرمات کو ظاہر کیا جو باقی رہیں وہ سب مباح اور حلال رہیں بھی بیان حاشیہ میں ہے پس اباحت اصل اشیاء اگر دلتی لازم نہیں آتا کہ اشیاء بعینہ حرام ہیں جیسے کہ زنا و خمر یا جو بغیرہ حرام ہیں

جیسے کہ غیر کا مال یا بکرہ، اشیاء جائزہ و حلال ہو جائیں کیونکہ اولیٰ کی وجہ سے
 دلائل قاطعہ موجود ہیں اور جیسا کہ تمام اشیاء کو مباح سمجھنے والوں نے خیال کیا
 کہ مال ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو جس طرح چاہے لیلے جائز ہے یا
 جس کو اللہ دوست رکھتا ہے اور اسکو کوئی گناہ یا مباح شرت حرام نقصان نہیں
 پہنچاتی جیسے کہ تصریح کی اور اسکی امام زاہد نے پس پناہ بخدا ایسے اعتقاد سے
 اس آیت سے کہاں یہ معنی پیدا ہو سکتے ہیں اور اسوجہ سے جواب دیا کہ قسامت
 بیناوی فی اباحتہ برہا کی بابت کہ وہ آیت مقتضی ہی اباحت اشیاء نافذہ کو
 لیکن مختص ہوتی ہیں بعض اشیاء بعض سے بعض اسباب عارضہ کی وجہ سے ہیں
 آیت سے مستنبط ہوتا ہے کہ کل اشیاء کل آدمیوں کو مباح ہیں نہ کہ ہر ایک چیز ہر
 ایک آدمی کو اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کی مفصل بحث آئندہ آئیگی اور حاصل مسئلہ
 جن چیز میں نفع ہو وہ مباح ہی یہ مذہب کرخی اور ابو بکر رازی اور بعض حنفیہ
 اور شافعیہ اور تمام معتزلہ کا ہے اور جمہور علماء اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ ایسی
 چیزیں اصل میں حرام ہیں جو مباح ہوئیں تو سب آدمی غیر مکلف ہوتے ہیں
 جن اشیاء کو احکام شرع نے مباح کیا وہی مباح ہیں قولہ تعالیٰ ثم استوی
 الی السماء (ترجمہ پھر مستوی ہوا طرف آسمان کے) یعنی پھر متوجہ ہوا یا مستوی
 ہوا۔ اگرچہ لغت میں استواء بمعنی برابری کے ہوتے ہیں مگر شلن خدا ہی تعالیٰ
 کے لائق نہیں اسواسطے توجہ اور قصہ اور ارادہ کے معنی میں مستعمل کیا گیا یا
 متشابہات سے مانا جائیگا جیسا کہ گروہ کرامیہ نے بلندی مکان یا علو کا استنباط
 کیا ہے اور اسکو تصریحاً امام زاہد نے لکھا ہے۔ اور اس آیت سے یہ مراد نہیں

ہی کہ پہلے زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو کیونکہ وہ صریح قول الہی کے خلاف واقع ہو گا جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ ذی والاذن یَعْلَمُ ذَٰلِکَ دَحْیَایَ یعنی بعد آسمان کے زمین کو بنایا یا بچھایا پس لفظ ثم جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد فصل ہے درمیان پیدائش زمین اور آسمان کہ نہ تقدم و تاخر وقت کا اور سواہن میں ضمیر مبہم ہے اسکی تفسیر خود کلام اللہ میں ہے کہ سَبْعَ سَمَوَاتٍ اور ضَاقِ الْأَرْضِ سے مراد یا تمام جہات سفلی ہیں یا نفس زمین مراد ہی جیسا کہ آسمان سے مراد جہات علوی ہیں یا نفس اجرام علوی اور زمین کا بھی سات ہونا صرف ایک آیت سے پایا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ قوله تعالیٰ (اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ) ترجمہ اللہ ایسا ہی کہ پیدا کئے سات آسمان اور زمین بھی برابر ان کے یا مثل اوست کے اور آسمانوں کے سات ہونے پر بہت سی آیتیں دلالت کرتی ہیں اگرچہ حکما کا قول تعدا و فلاک میں ہماری مخالف ہو لیکن اسکی بابت زیادہ تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت نماز اور زکوٰۃ اور رکوع واجب ہونے اور جماعت میں قولہ تعالیٰ اَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَبُوا مَعِ الرَّاكِبِينَ ترجمہ قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ کو اور رکوع کرو رکوع کر موالون کے ساتھ۔ یہ خطاب ہے اہل کتاب کیوہے یعنی اسے اہل کتاب عم مسلمانوں کی طرح نازل ہوا ہے۔ کیطرف اور انکی طرح زکوٰۃ دے اور انکی طرح نماز میں رکوع کر و کیونکہ یہود میں نماز بلا رکوع و سجود کے تھی یعنی محض بحالت قیام پھر رکوع و سجود و سیمین اضافہ ہونے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں فرمایا۔ قُلْ لِمَا تَعْبُدُونَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ إِذْ أَنْتُمْ تُرْجَمُونَ اذْكُرُوا اللَّهَ إِذْ أَنْتُمْ تُرْجَمُونَ
 کرو اور مفصلاً سورۃ منزل میں اللہ تعالیٰ اسکا بیان آئے گا اور مسئلہ
 فرضیت نماز و زکوٰۃ کا ہمارے دین میں ایسا ظاہر ہے کہ اس پر حاجت دلیل
 نہیں اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہی باقی رہا پنج وقتہ نماز و اگر ناسواؤ کا ذکر بھی
 چند مواقع پر آیا ہی جو اللہ آگے آئیگا۔ اور اسی طرح ارکان نماز اور اسکا
 شرائط اور سونے اور پانڈی کی زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ کا ذکر عنقریب کیا
 جائیگا۔ اور صلوٰۃ لغت میں بمعنی دعا کے ہیں اور شرع میں بمعنی ارکان معلومہ کہ
 ہیں مجازاً ہیں صلوٰۃ اہل لغت کے نزدیک بمعنی دعا حقیقہ اور بمعنی نماز مجازاً
 اور اہل شریعہ کے نزدیک صلوٰۃ بمعنی نماز حقیقہ اور بمعنی دعا مجازاً اقرار پائی جیسا
 کہ علم اصول میں آیا اور زکوٰۃ لغت میں بمعنی طہارت دعا اور شرع میں بمعنی ادا و جرؤ
 مستر و نصاب سے بشرط شریعہ کو اتمام سال و فراغت ہوا اور مد کو صلوٰۃ لغت میں
 چہکنے کو کہتے ہیں جیسا کہ سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کو کہتے ہیں اور ہمارے شرع
 میں بھی یہی معنی کافی ہیں اور تعدیل کرنا و وزن میں واجب ہو کہ ایک ہی مقام
 پر ذکر کیا گیا ہے نہ فرض جیسا کہ خیال کیا شافعی رحمۃ اللہ علیہ فی اور بعض نے کہا
 کہ اس آیت سے فرضیت جماعت نکلتی ہو بیٹے مصلیٰ لوگوں کے ساتھ جماعت سے
 نماز پڑھو اور رکوع کرو اور اسی مطلب کو قاضی بیضاوی نے اختیار کیا ہے لیکن
 مشکل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں البتہ ہم
 استقدر کہہ سکتے ہیں کہ قریب واجب کے ہو جیسے کہ شرح بیان کیا ہے اور سکو
 فقہ میں اور جبکہ جماعت ایک مجموعی گروہ کے فعل سے ہو سکتی ہے یعنی امام اور

مقتضی توفیر کے فعل پر جو چیز مختصر ہوا دس پر اللہ تعالیٰ بذکر کتاب کرتا ہے لیکن جمعہ
 میں یہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ جماعت جمعہ کے روز فرض ہے اور اجتماع ہونا جمعہ
 کے روز بھی فعل غیر ہوا دس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ فرضیت جماعت جمعہ بعد جمع
 ہونے نمازیوں کے ہے نہ قبل اس کے تو اس حالت میں فعل غیر پر انحصار
 نہ رہا جیسا کہ اس بحث کو ظہیر الشریعہ نے مفصل بیان کیا ہے اور امام زاہد نے کہا کہ وہ
 لوگ تنہا تنہا نماز ادا کرتے تھے پس حکم الہی آیا کہ مومنین کے ساتھ نماز پڑھو یعنی
 جماعت سے فرض ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ساتھ نمازیوں کے نہ مثل
 نمازیوں کے پس جماعت پانچوں نمازوں میں واجب ہے اس طرح فاسلف رائیں
 مفسرین کی اس بارہ میں ہیں اور یہ مسئلہ قابل غور و تامل ہے علیٰ ہذا معنی رکوع میں
 صاحب کشاف اور قاضی نے اور اور معنی قائم کئے ہیں مسئلہ نسخ و ان

جائزہ قولہ تعالیٰ مَا تَسْمَعُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَذِيرٍ فَأَنْتَ بِهَا نَذِيرٌ خَيْرٌ مِنْهَا أَوْ مِّنْهَا أَلَمْ تَعْلَمْ
 أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ترجمہ ہم جو نسخ کرتے ہیں کسی آیت کو یا پہلا تے ہیں
 او سکو تو دیتے ہیں اس کے ہنر یا او کے مانند کیا تو نہیں جانتا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ
 ہر شے پر قادر ہے۔ روایت ہے کہ کفار نسخ کے بابت ملعنہ زن ہوتے تھے
 اور کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ایک حکم اپنے اصحاب کو فرماتی
 ہیں پھر اس کو نسخ کر کے دوسرے حکم سنا دیتے ہیں اور نسخ کو کفار موجب ندامت
 و بے عقلی سمجھتے تھے اور اسرار الہی سے ناواقف تھے تب یہ آیت نازل ہوئی
 کہ ہم باقتضای مصلحت منافع یا موافق اون کے زمانے اور وقت کے کسی حکم کو
 منسوخ فرماتی ہیں یا پہلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یعنی زیادہ نفع رسان یا او کے

یا اوسکے برابر نسخ رسان دنیا و آخرت میں اپنی نازل فرماتے ہیں کیا نہیں جانتا تو اسے طاعن یا منکر کہ اللہ تعالیٰ تمام ہتھیار پر قادر ہی یعنی اللہ پاک نسخ کرنے اور اوس کو بہتر یا اوسکے بدلے پر قادر ہی اور اسی مضمون کو اللہ پاک فی سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے لفظ تبدیل کے ساتھ اور یہاں لفظ نسخ و انسا کر ساتھ اور یہ بھی فرمایا کہ اوسکے اسرار لوگ نہیں جانتے پس اس وقت سنی نسخ و انسا کر شرح بیان کرنا ضروری ہی تو واضح ہو کہ لغت میں سنی نسخ کے تبدیل ہیں اور شریعت میں معنی نسخ کے انتہا حکم شرعی کے ہیں اگرچہ وہ حکم مطلق بلا تعین زمانہ ہوتا ہی اور اوسکی انتہا کو ہم تبدیل سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ بیان محض ہی صاحب شرع کے حق میں ہیں اوس حکم ہی نمود یا نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ پر طعن نہیں ہو سکتی اور محل نسخ ایک حکم ہوتا ہی جو وجود اور عدم دونوں احتمال کو شامل ہی نہ وہ واجب بالذات ہوتا ہی مثل وجوب ایمان کے نہ متمنع بالذات ہوتا ہی مثل حرمت کفر کے نہ اوس میں وقت خاص مقرر ہوتا ہی نہ اوس سے دوام و استمرار لازم آتا ہے کیونکہ تعین وقت کی نظیر تو کلام اللہ میں کہیں پائی نہیں جاتی البتہ دوام کی نظر ملتی ہیں جیسے اللہ پاک فرماتا ہی (خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا) یا ایہ دوام جو بعد رحلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت تک احکام شرع میں رہے گا پس شریطان نسخ و منسوخ میں یہ ہر کہ دونوں میں کچھ زمانہ کا فاصلہ ہو کہ منسوخ پر اعتقاد ہو گیا ہو تب نسخ آوے اور معتزلہ کے نزدیک یہ ہر کہ منسوخ پر عمل و رآد بھی ہو گیا ہو تب نسخ آنا چاہیے پس یہ امر قرار پایا کہ قیاس اور اجماع نسخ ہو سکی بلایت

ہیں رکھا اور جائز ہی نسخ کتاب کا کتاب سے اور سنت سے اور اسطرح
جائز ہی نسخ سنت کا سنت سے اور کتاب سے ہمارے نزدیک و امام شافعی
علیہ الرحمۃ کے نزدیک جائز نہیں بجز اسکے کہ کتاب کا نسخ کتاب سے ہو
اور سنت کا نسخ سنت سے وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر کتاب کا نسخ سنت
سے ہو دے تو منکرین و مجادلین کو گنجائش ہو کہ کہیں اول رسول نے
تکذیب کی تھی خدا کی اسلئے اسکی تبلیغ پر ایمان نہیں لاسکتے اور اسی طرح
اگر جائز ہو نسخ سنت کا کتاب سے تو منکرین کہہ سکتے ہیں کہ اول اللہ پاک
نے تکذیب کی تھی رسول کی اس واسطے اوپر ایمان نہیں لاسکتے اب ہم اس
اعتراض امام شافعی علیہ الرحمۃ کا جواب دیتے ہیں کہ نسخ حقیقت میں
تبدیل نہیں ہو بلکہ وہ بیان محض ہے تو جائز ہے کہ اللہ پاک کے حکم کی مدت کو
انتہا کو اسکا رسول ظاہر کر دے یا رسول کے حکم کی انتہا کو اللہ پاک ظاہر
فرما دے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ منسوخ کیا جاتا ہے اس
سے بہتر یا اس کے برابر نازل کیا جاتا ہے یعنی ناسخ منسوخ سے بہتر یا بہتر
ہونا چاہئے اور کلام اللہ سے کلام رسول بہتر ہے نہ ہم رتبہ تو وہ کیونکر ناسخ
کلام اللہ ہو سکتا ہے ہم جواب دیتے ہیں کہ بہتر یا مانند سے مراد فضیلت یا
برابری رتبہ میں نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے برابر نسخ رسان یا اس سے
زیادہ نسخ رسان اور موجب ثواب ہو اور یہ ممکن ہے کہ کلام رسول کہ جو ناسخ
ہو اس منسوخ سے زیادہ باعث نفع یا ثواب کا ہو اور یہ بھی اعتراض کیا
گیا ہے کہ ناسخ منسوخ سے سہل یا برابر ہونا چاہئے منسوخ سے زیادہ گراں

ہوا سکا بھی یہی جواب ہو کہ اگر یہ ممکن ہو کہ ناسخ یا اعتبار ظاہری کر اس کو اور اس کے
 ثواب زیادہ ہو منسوخات کی چار قسمیں ہوتی ہیں اول وہ کہ منسوخ التلاوة
 اور منسوخ الحکم ہو جیسا کہ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے
 کہ (عشور ضیعات معلومات یحرم من تحت) اور مروی ہے کہ سورۃ
 احزاب میں دو سو یا تین سو آیتیں تھیں اور اب باقی گنہیں جس قدر کہ قرآن
 شریف میں ہیں یعنی کل تہتر آیتیں ہیں اور اسی طرح سورۃ الطلاق زیادہ
 طویل تھی سورۃ البقرہ سے دوسری قسم صرف منسوخ التلاوة نہ منسوخ الحکم
 یعنی انکی تلاوت قرآن کریم سے کم کر دی گئی مگر انکا حکم باقی و جاری ہے
 کہ قولہ تعالیٰ الشیخ والشیخۃ اذا ذنبنا فادجوہما نکالا من اللہ
 واللہ عزیز حکیم یعنی بڑا اور بڑی عورت جب دونوں زنا کریں تو
 انکو رجم کر دیا جائے ہو ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ عزیز
 اور حکیم ہی فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم اس آیت کو پڑھتے تھے
 عہد رسول صلعم میں اور اب منسوخ ہو گئی پس اگر تمکو اس امر کا خیال نہ ہوتا
 کہ لوگ کہیں گے کہ عمر نے قرآن میں آیت زیادہ کر دی تو میں اس آیت کو کہتے
 ہا تھا سے مصحف میں یعنی کلام اللہ میں درج کر دیتا تیسرے منسوخ الحکم
 نہ منسوخ التلاوة یعنی جسکا تلاوت کرنا باقی ہو مگر حکم اسکا جاری و باقی
 نہیں رہا مثل سورۃ الکفرۃ اور مانند اسکے چوتھے منسوخ الوصف
 یعنی حکم اور تلاوت دونو باقی رہیں مگر اسکے اوصاف میں تبدل و تخریج ہو
 جیسے غسل رجل یعنی پاؤں دھونا کہ صریح منصوص ہے اور حدیث مشہور

المسح علی الخفین) یعنی بحالت پہنے رہنے موزہ ہمارے چرمی کے پاؤں پر
 پر صرف مسح کافی ہو پس یہ تفسید ہے اطلاق پر یا زیادتی ہو نفس پر اور وہ
 بھی ایک قسم نسخ کی ہو ہمارے نزدیک بخلاف شافعی علیہ الرحمۃ کے ان کے نزدیک
 وہ صرف بیان ہو صاحب مدارک نے بعد بیان ان اقسام اربعہ کے انساہ کی
 تشریح اس طرح کی ہے کہ انساہ میں شرط ہے کہ آدمیوں کی یاد اور حافظہ سے بالکل
 جاتا رہے اور قاضی بیضاوی نے بھی اسی رائے سے اتفاق کیا ہے کہ جس منسوخ کو
 آدمی بالکل بھول جائیں اور بعض نے کہا ہے کہ نسخ وہ ہے کہ حکم منسوخ ہو جاوے اور
 الفاظ باقی رہیں یا الفاظ بھی منسوخ ہو جاوے مگر انساہ وہ ہے کہ الفاظ بھول
 جائیں حکم باقی رہے یا حکم بھی باقی نہ رہے اور بعض نے کہا ہے کہ نسخ صرف امر وہی
 میں واقع ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا اور انساہ امر وہی اور اخبار میں ہوتا
 ہے اور اخبار کے اگرچہ الفاظ جاتے رہتے ہیں یعنی اٹھین نسیان واقع ہو جا تا ہے
 مگر معنی باقی رہتی ہیں اور صاحب کشاف نے قریب قریب اسی کے معنی بیان
 کئے ہیں اور ہمارے نزدیک اس امر کا یہ فیصلہ ہے کہ جس کا حکم منسوخ ہو اور الفاظ
 جاری رہیں یا الفاظ منسوخ ہوں اور حکم جاری رہے وہ اقسام منسوخات میں ہیں
 اور جو بالکل دلون سے اور حافظہ سے بہلا دیا گیا ہو نہ اس کے الفاظ باقی رہے ہوں
 نہ حکم وہ مٹتی ہو یعنی انساہ کیا گیا اور یہ انساہ بھی منسوخ میں بغرض اظہار کمال
 اللہ تعالیٰ شامل کیا گیا ہے کہ پروردگار عالم ایسا قادر مطلق ہے کہ ایسا منسوخ بھی
 کر سکتا ہے کہ جس کے معنی اور الفاظ بالکل قلوب بنی آدم سے جاتے رہیں اور
 یہی وہ فیصلہ ہے جس نے میری خاطر کو تسکین دی اور کلام امام زاہد کو مدد دی

ہر اب ہم اون دونوں مشنوں سے بحث نہیں کرتے کیونکہ اون دونوں کا
 مجرد اب کلام اللہ میں نہیں ایک وہ کہ منسوخ التلاوت و احکم اور دوسرے
 بعض منسوخ التلاوت اب باقی رہی صرف منسوخ احکم یعنی وہ آیتیں جن کا حکم
 منسوخ ہو اور تلاوت جاری ہے کیونکہ اس کے متعلق ہر شخص کو جو قرآن کریم
 پر عمل کرتا ہو اور کلام حاصل ہونا ضروری ہو کیونکہ متبایا سائل کیواسطے ضرور
 ہے کہ معلوم ہوں کہ کون نسخ ہو کون منسوخ کوئی مستند رہی ہو اور کوئی موخر تاکہ
 مقدم کو منسوخ اور موخر کو نسخ قرار دیا جائے اور کوئی سورۃ ناسخ و منسوخ
 دونوں کو شامل ہو اور کوئی سورۃ صرف ناسخ کو ظاہر کرتی ہو اور کوئی سورۃ
 صرف منسوخ کو ظاہر کرتی ہو اور کوئی سورۃ ان دونوں میں ناسخ اور منسوخ
 سے خالی ہو پس ان سب امور کو صاحب اتقان نے ایسا شرح و مفصل
 بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ تفصیل خیال میں نہیں آتی اب ذکر آیات منسوخات
 کا کیا جائے اول وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ عفو اور پہلوئی کا ذکر کیا ہے جیسے قولہ
 تَعَالٰی وَمَا عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاءُ قَوْلُهُ تَعَالٰی لَكَ دِيْنُكَ وَلِي دِيْنٍ يٰ اَهْلِيْ قَاتِلْ
 سے جیسے قولہ تَعَالٰی وَلَا تَتَذَكَّرُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ یعنی رڑائی
 کفار سے نہ کرو یہ سب منسوخ ہیں اون آیات سے جن میں حکم قتل دیا گیا
 ہے جیسے قولہ تَعَالٰی قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْكُمْ كَافَّةً قَوْلُهُ تَعَالٰی
 فَاِذَا اَقْتُلْتُمْ اَوْ اُخْرِجْتُمْ فَاصْبِرُوْا الشُّرَكَاءُ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ اَوْ اَمَامَ
 زاہد فرمایا کہ قریب شتر آیات کہ منسوخ ہو گئی ہیں آیات قتال سے یعنی
 آیات حکم قتال شتر آیات کی ناسخ ہیں اور صاحب اتقان نے کہا ہے کہ ایک

سو جو میں آیات سنو بخوبی اس آیت سے قولہ تعالیٰ فَإِذَا أَنْتُمْ
 أَنْتُمْ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ پھر یہ آیت اس بات
 پر دلالت کرتی ہے کہ شہر حرام میں قتال حرام ہے چنانچہ او کی تائید میں فرمایا
 اللہ تعالیٰ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالِهِ فِيهِ قُلْ قِتَالُهُ كَبِيرٌ
 اور قولہ تعالیٰ (وَلَا الشَّهْرُ الْحَرَامُ وَلَا الْفُلُكُنُذُ) اور یہ سب سنو بخوبی اس آیت
 مطلقہ سے اور علیٰ ہذا یہ آیت دلالت کرتی ہے جو از قتال پر مسجد حرام میں ابتدا
 اور انتہاء با آنکہ ایسا حکم نہیں کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ وَلَا تَقَاتِلُوا
 عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلَوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُواكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ جیسے کہ
 تصریح کی اسکی صاحبِ مدارک نے اور قول الہی۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَاثَةً
 اور اسی قسم کی آیات دلالت کرتی ہیں کہ ذمی کا قتل بھی واجب ہے مثل حربی
 کے پس وہ بھی سنو بخوبی اس قول الہی سے قولہ تعالیٰ قَاتِلُوا الَّذِينَ
 لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
 وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ
 وَهُمْ صَاغِرُونَ ترجمہ قتل کرو ان لوگوں کو جو نہیں ایمان لاتے اللہ
 پر اور نہ قیامت پر نہ حرام سمجھتے اس چیز کو جس کو حرام بتایا ہے اللہ نے یا
 اس کے رسول نے اور دین حق پر نہیں چلتے ان لوگوں سے کہ ان
 پر کتاب نازل کی گئی ہے تا آنکہ جزیہ دین اپنے ہاتھ سے اور اس ذلت پر
 راضی ہوں یہ صرف ایک آیت ہے قرآن مجید میں اور اس طرح تمام اہل اسلام
 جنہیں معذور لوگ بھی آگئے ہیں سب کو قتال پر مکلف کرتی ہے آیت قولہ تعالیٰ

اَلَّذِينَ لَا يَخْلُقُوا مَا يُفْقُونَ حَدِثْ اَوْ قَوْلُ تَعَالٰی
 كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لَيْسَ فِیْ ذَاكَ اَوْ قَوْلُ تَعَالٰی لَيْسَ عَلٰی الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلٰی
 الْمَرْضٰی وَلَا عَلٰی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَدِثْ اَوْ قَوْلُ تَعَالٰی
 لَيْسَ عَلٰی الْاَعْمٰی حَدِثْ وَلَا عَلٰی الْاَعْرَجِ حَدِثْ وَلَا عَلٰی الْوَرِیْضِ حَدِثْ (خلاصہ یہ ہوا
 کہ قتال ابتدائیں سو اسجد حرام کے اور انتہائیں مسجد حرام میں بھی مؤمنین غیر
 معذورین پر واجب ہر حربی کے ساتھ نہ کہ ذمی کے ساتھ خواہ شہر حرام میں
 ہو یا کسی دوسرے مینے میں باب ناسخ و منسوخ۔ اب یہ سمجھنا چاہئے
 کہ ان کے علاوہ بھی بہت سے منسوخات ہیں پس سورۃ البقرہ سے قولہ تَعَالٰی
 فَاَیْمًا تُولُوْا فَنَمَّ وَجْہُ اللّٰهِ) کہا ابن عباس نے یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ
 قبلہ کی طرف منہ کرنا واجب نہیں پس یہ آیت اس حکم سے منسوخ ہو گئی کہ فرمایا
 اللہ تعالیٰ نے قولہ تعالیٰ - قَوْلٍ وَجْہُكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحِیثُ
 مَا كُنْتُمْ تُولُوْا وَجْہُكَ شَطْرَهُ) اور بعض نے کہا یہ کہ آیت فَاَیْمًا تُولُوْا
 فَنَمَّ وَجْہُ اللّٰهِ) اس وقت کیلئے کہ جب شب میں سمت قبلہ نامعلوم ہوا تو
 مسئلہ شرعی کہتی ہیں یا نماز نفل جو سواری پر ادا کیا وے اس وقت جس طرف
 منہ ہو جائے اور اس آیت میں اور توجیہات بھی بیان کرتے ہیں اور قولہ تَعَالٰی
 یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلِ الْحَرْبِ الْحَرِّ
 وَالْعَبْدِ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی) کہا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ
 علیہ نے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جائز نہیں حر کا قتل کرنا غلام کے بدلے
 اور نہ مذکر کا قتل کرنا عورت کے بدلے پس یہ آیت منسوخ ہے اس آیت

سے جو سورۃ ائمہ میں ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قولہ تعالیٰ کَتَبْنَا
 عَلَيْهِمْ فِيمَا اَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اور نزدیک مام شافعی علیہ الرحمہ
 کے نہیں جائز ہے قتل کرنا حر کا عہد کے عوض اور نہ مذکر کا مونث کے عوض
 اور وہ آیت او کو نزدیک غیر منسوخ ہے۔ قولہ تعالیٰ اِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ
 الْمَرْثُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا اِلَى الْوَصِيَّةِ لِلْوَالدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ
 اکثر فقہانے کہا کہ یہ آیت ولالت کرتی ہے فرضیت وصیت پر والدین اور
 اقربین کی واسطے یا آنکہ جائز نہیں ان کے لئے وصیت بغير ميراث کے پس وہ
 منسوخ ہے آیت میراث سے اور حدیث (الا لا وصیت لوارث) سے یا
 منسوخ ہے اجماع سے اور بعض نے کہا کہ وہ منسوخ نہیں ہے بلکہ مجمل ہے
 اور آیت میراث اور اسکا بیان ہی مفصل حال اسکا ہدایہ اور مدارک میں مندرج
 ہے۔ قولہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
 عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ یعنی اسے مومنو تم پر روزہ فرض
 ہوا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض ہوا تھا اسے کاش تم پر نہیں گارہو
 صاحب اتقان نے کہا کہ وہ ولالت کرتا ہے اس امر پر کہ ہمارا روزہ او کو
 روزہ کے مانند ہو حال آنکہ اونکا روزہ عشاء سے مغرب تک تھا اور ہمارا
 روزہ صبح سے مغرب تک ہیں وہ بھی منسوخ ہے اس قول الہی سے قولہ
 تعالیٰ اِحْلُلْ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ مِنَ الرِّفْثِ اِلَى نِيَابِئِكُمْ یعنی طلال بہت بار
 واسطے روزوں میں شب کو تمہاری عورتوں کے پاس مباشرت یعنی صحبت
 محض کو کہا کہ وہ تشبیہ محض وجوب روزہ کی ہے قولہ تعالیٰ

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ فَدِيَةً طَعَامٌ مِسْكِينَ۔ ترجمہ جو لوگ اسکی طاقت کہتے
 ہیں وہ اوسکے عوض مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ کہا یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی
 ہے کہ باوجود طاقت رکھنے روزہ کے مسکین کو کھانا کھلانے کے روزہ سے بیکدش
 ہو سکتا ہے اور بآئکہ ایسا نہیں ہو پس وہ منسوخ ہی اوس آیت سے جو اوسکے
 بعد ہے یعنی قوله تعالى فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جس نے
 تم میں سے اس مہینہ کو دیکھا چاہے کہ روزہ رکھے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت
 منکم ہے اور لفظ لَا يُطِيقُونَ کے پہلے مقدر ہے یعنی اوسکا ترجمہ یوں ہے کہ
 جو شخص طاقت روزہ کی نہیں رکھتا اوسکو چاہئے کہ اوسکے عوض مسکین کو کھانا
 کھلا دے۔ پس اسی سے مسئلہ شیخ فانی پر روزہ نہ رکھنے کا مستنبط ہوا ہے
 قوله تعالى يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ تجھے دریافت کرتی
 ہیں کہ کیا نفقہ دیں تو کہہ دے کہ عفو۔ صاحب حسینی اور صاحب برامک اور امام
 زہد نے کہا کہ عفو سے مراد فضل ہے یعنی وہ تمام مال جو ضرورت سے زیادہ ہو اور
 بآئکہ عشر کی چوتھائی سے زیادہ صرف کرنا فرض نہیں پس وہ بھی منسوخ ہی
 آیت زکوٰۃ سے قوله تعالى وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْكُمْ وَيُذَرُونَ اَنْذَرًا وَاجِبًا
 وَصِيَّةً لَا زَوَاجَهُمْ مَّا عَدَا الْاُكُولَ غَيْرَ اُخْرَاجٍ کہا کہ یہ آیت دلالت کرتی
 ہے واجب ہونی وصیت پر ازواج کیلئے ہنگام موت اور نہ گننے پر اور واجب
 ہونے عدت کے ایک سال کال تک پس واجب ہونا وصیت کا منسوخ ہے
 آیت میراث سے اور سنی منسوخ ہی حدیث قسطنطینی اور ثابت ہی نزدیک امام شافعی
 علیہ الرحمہ کے اور واجب ہونا عدت کا منسوخ ہی اوس آیت سے جو اوسکے

پہلے ہی وہ یہ ہے قولہ تعالیٰ - وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ
 اَزْوَاجًا يَنْتَرِبْنَ بِأَنْفُسِهِمْ اَرْبَعَةً اَشْهُرًا وَعَشْرًا) یعنی جو لوگ تم میں
 سے وفات کریں اور ازواج چھوڑیں چاہئے کہ وہ ازواج چار ماہ دس
 روز عدت کریں۔ واضح ہو کہ تمام آیات ناسخہ بعد منسوخات کے واقع
 ہوئی ہیں از روئے تلاوت کے جیسے کہ وہ نازل ہوئی ہیں لیکن وہ مقام پر
 مقدم ہو گئی ہیں ایک تو اسی مقام پر اور دوسرے عنقریب سورۃ الاحزاب میں
 بیان کیا گیا جیسے کہ تصریح اوسکی صاحب النقان نے کی اور میرے نزدیک اس
 کے علاوہ بھی اور چند ایسے مقامات میں جنہیں منسوخ سے پہلے نسخہ آگئی ہیں
 اب یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ عدت شوہر متوفی کی چار ماہ دس یوم ہیں عام
 اس سے کہ بیوہ حاملہ ہو یا نہ ہو؛ و جو دیکہ ایسا حکم نہیں ہے یعنی حاملہ کی عدت
 وضع حل تکس ہے پس یہ آیت منسوخ ہے اوس آیت سے جو سورہ طلاق میں
 واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے قولہ تعالیٰ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ
 يُصْعِنَ حَمْلَهُنَّ) ترجمہ: حمل والی عورتوں کی یہ میعاد ہے کہ وہ اپنا حمل
 وضع کریں اس میں ہمارا اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا اتفاق ہے اور قولہ تعالیٰ
 وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ) قولہ تعالیٰ وَلَا يَأْبَ
 الشَّهَدَاءُ اِذَا مَادُّعُوْا) پس پہلی آیت سے بیع سلم میں تحریر کا واجب ہونا
 اور دوسری کو شاہد کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے پس کہا گیا ہے کہ یہ دونوں
 بھی منسوخ ہیں اس قول الہی سے قولہ تعالیٰ وَلَا يَصْأَدُ كَاتِبٌ وَلَا
 شَهِيدٌ) و قولہ تعالیٰ وَاِنْ شُبِّدَ اَمَانِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ خَفَوْهُ بِحَاسِبِكُمْ

بِدَالَتِهِ تَرْجِمَہ جو تمہارے دون میں سے تم خواہ اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اسے
 اس کا محاسبہ کریگا کہا گیا ہے کہ دلی خیالات کے گناہوں پر مواخذہ کی دلیل
 ہے باوجودیکہ ایسا حکم نہیں ہے پس یہ آیت بھی منسوخ ہے اور اس قول الہی سے
 جو اس کے بعد ہے قولہ تَعَالٰی لَا يَكْلِفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ
 پاک کسی نفس کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور محنتیں کے نزدیک
 پہلی آیت غیر منسوخ ہے اس واسطے کہ نسخ احکام میں ہوتا ہے نہ اخبار میں پس اُن
 کے نزدیک اس آیت کا یہ منشا ہی نہیں ہے کہ اللہ پاک خطرہ قلبی پر انسان سے
 مواخذہ فرمائے گا بلکہ مراد اس سے عزم کامل ہے اور سورہ آل عمران سے قولہ
 تَعَالٰی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ یعنی اے ایمان والو
 تقویٰ اختیار کرو جیسے کہ اس کا حق ہے پس یہ آیت دلالت کرتی ہے کمال تقویٰ
 کے واجب ہونے پر اور وہ طاقت بشری سے خارج ہے اور اس کی پابندی
 محال ہے پس وہ بھی منسوخ ہے آیت تغابن سے اور وہ یہ ہے قولہ تَعَالٰی
 فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (یعنی تقویٰ کرو اللہ سے جس قدر ہو سکے اور
 اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ پہلی آیت مجمل ہے اور دوسری آیت اس کا بیان ہے اور سورہ
 النساء سے قولہ تَعَالٰی وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُو الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسْكِيْنَ
 فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ) یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اشخاص مذکورہ بالا کو منہجاً
 تقسیم ترکہ میں سے کچھ دینا واجب ہے پس وہ منسوخ ہے آیت میراث سے اور
 قولہ تَعَالٰی يَا أَيُّهَا الْمَلَائِكَةُ اِلٰی اٰخِرِہ پس یہ دونوں آیتیں حد
 زنا کے باب میں ہیں پہلی کا مدعا یہ ہے کہ حد زنا جس دوام یعنی حوسہ تک

یاد و مسطر طریقہ اور گواہ زنا چار ہونے پابے اور دوسری کا فتنہ ہے
 کہ حد زنا محض اذیت ہونا چاہئے پس اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ابتداء اسلام
 میں دوسری آیت پر عمل تھا وہ آیت اولیٰ سے منسوخ ہو گئی تو صرف جس حد زنا
 باقی رہی پھر وہ بھی آیت النور سے جو یہ ہے قوله تعالى الزانية والزاني
فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة یعنی زنا کار عورت اور مرد کو
 سو سو درجے بار و پس اذیت محض اور جس دوام دونوں منسوخ ہو گئے اور
 آیت ہے چار گواہوں کا وجوب باقی رہ گیا اور بعض نے کہا ہے کہ پہلی آیت میں سزا
 ستم کر نیوالی عورتوں کی ظاہر کی گئی ہے اور دوسری آیت میں سزا بوطاعت کر نیوالے
 مردوں کی۔ اس صورت میں دونوں آیتیں غیر منسوخ ہیں قوله تعالى
فما استمسكت به منهن فاقوهن اور فما استمسكت به منهن فاقوهن کہا ہے کہ یہ آیت
 شان متعین ہے اور متعدد اول اسلام میں شروع تھا اگر سنت منسوخ ہو گیا اور بعض کہتے
 ہیں کہ متعین سے مراد نکاح اور اجور سے مراد ہر ہر اس حالت میں غیر منسوخ ہو گا
 اور قوله تعالى والذين عقدت امهاتكم فاقوهن فما استمسكت به منهن فاقوهن
 یہ آیت موالات کی بابت ہے جو امام ثانی علیہ الرحمہ کے نزدیک منسوخ اور
 ہمارے نزدیک بوجہ ثبوت عقد موالات کے باقی ہے سورہ بقرہ سے۔
قوله تعالى وان ساءوا فاحكم بينهم اور اعرض عنهم یعنی اگر اہل
 کتاب تیرے پاس قضیہ لائیں تو خواہ تو حکم کر فیصلہ کا انہیں یا اعراض کر ان
 سے سے مطلب یہ کہ تو دونوں امر کا اختیار ہے پس یہ آیت اپنی حالت پر باقی ہے
 جیسا کہ خیال کیا اور کو امام شافعی علیہ الرحمہ نے یا منسوخ ہے اس قول النبی سے

قوله تعالى **وَإِنْ أَحَدُكُمُ بِنَتَيْهِمَا فَلْيَسْتَغْفِرْ لَهُمَا فَيَسْفُكْ عَلَىٰ رَأْسَيْهِمَا أَوْ يَخْتَرِفْ عَلَيْهِمَا عِصْفًا ثَوِيًّا** **وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوكُم مِّنْ بَعْدِ هَٰذَا فَلْيَعْلَمُوا أَنَّهُمْ لَا يَفْعَلُونَ**
 فرمایا یہ قول ابن عباسؓ ہے اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اسی پر اعتقاد کیا ہے
 جیسا کہ کشاف میں منقول ہے۔ **قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمُ التَّقْوَىٰ**
وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوكُم مِّنْ بَعْدِ هَٰذَا فَلْيَعْلَمُوا أَنَّهُمْ لَا يَفْعَلُونَ یعنی اسے ایمان والا تو میرا ہے نفس کی
 محافظت فرض ہے تو تم کو کچھ نقصان نہیں پہونچاتا دوسری گمراہ ہونا جبکہ تم ہدایت
 کر چکے۔ صاحب اتقان نے کہا کہ اول آیت ولالت کرتی ہے کہ امر بالمعروف ترک
 کرنا چاہیے پس وہ منسوخ ہے آخر سے یعنی **إِذَا الْاٰهْتَدَيْتُمْ** سے یعنی کہ جبکہ تم
 او کو ہدایت کر چکے مطلب یہ کہ جب تم امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کر چکے تو
 اس حالت میں ترک امر بالمعروف لازم نہیں آتا۔ **وَقَوْلُهُمْ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا**
الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ **إِذَا أَحْضَرَا أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ حِينَ الْوَصِيَّةِ** **إِلَىٰ أَهْلِهِ**
 یہ آیت معہ دوسری آیت کے جو اس کے بعد ہے بہت طویل ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس سے
 ذمی کی شہادت جائز ہوتی ہے پس وہ منسوخ ہے آیتہ الطلاق سے وہ یہ ہے
قوله تعالى وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ **وَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ مَا نَزَّلْنَا بِكَ**
فَرَاغِ إِلَىٰ رَبِّكَ **وَأَمَّا يُنْشِئُكَ الشَّيْطَانُ لِلْإِثْمِ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ** **فَإِنَّهُ يَسْمَعُ سَهْوَةَ النِّفْسِ**
 یعنی بعد نبی کے مجلس کفار میں بیٹھا منسوخ ہے اس آیت سے مجاہد کفار میں بیٹھنے
 کی حرمت ثابت ہوتی ہے پس وہ بھی منسوخ ہے اس فرمان الہی سے **قوله تعالى**
وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذَكَرُوا لَعَنَهُمُ
يَتَّقُونَ پس اس سے ذکر واجب ہو گیا اور مجاہد کفار کی اجازت ہو گئی
قوله تعالى وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ

عَذْرًا لِّغَيْرِهِ عَلِيمًا) امام زادہ نے کہا کہ یہ بھی منسوخ ہے اس قول الہی سے
 قولہ تعالیٰ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا
 وَارِدُوْنَ) اور قولہ تعالیٰ کُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ اِذَا اَتَمَرُوا وَاتُوا حَقَّهٖ يَوْمَ حَصْرِهِ
 کہا گیا ہے کہ حق سے مراد وہ حاصل ہے جو اول سلام میں رائج تھا پھر وہ بھی منسوخ
 ہو گیا زکوٰۃ سے اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ پھلون کی ہے اور وہ
 دسواں حصہ ہے یا نصف اس کا تو اس حالت میں آیت غیر منسوخ ہو گئی۔
 وقولہ تعالیٰ قُلْ لَا اَجِدُهَا اَوْحٰی اِلٰی مُحَمَّدٍ مَّا عَلٰی طَائِعٍ يَّطْعُمُهَا اِلَّا اَنْ
 يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا اَوْ عَمَّ حَزْرٍ مِّرْيَانَةُ رَجَسًا اَوْ فِسْقًا اَهْلًا
 لِّغَيْرِ اللّٰهِ یہ اس آیت دلالت کرتی ہے باقی تمام اشیا کی حلت پر یا وجوہ کی
 بعض حرام ہیں تو امام عصفہ الملہ والدین نے کہا کہ یہ بھی منسوخ ہے اس آیت
 سے کفر مایا آنحضرت صلیم نے تمام ذی ناب اور سباع یعنی درندہ اور دو
 پہلی والے جانور حرام ہیں اور سورۃ الاعراف سے قولہ تعالیٰ خُذِ الْعَفْوَ
 وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ) صاحب تقان نے کہا کہ
 یہ آیت بھی عجیب ہے کہ اول و آخر اسکا منسوخ اور وسط اسکا باقی اور جاری
 یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور باقی منسوخ اور سورۃ الانفال سے
 قولہ تعالیٰ یَسْأَلُوْكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِیْس اگر
 مراد انفال سے غنائم ہیں اور لام ملکیت کے معنی میں ہے تو وہ بھی منسوخ ہے
 اس آیت سے قولہ تعالیٰ رَاْعِلُوْا اَنْتُمْ غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ اللّٰهَ حَمْسَهُ
 وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ) جیسا کہ منصوص

گردانا و سکوا امام زادہ نے اور اگر انفال سے مراد وہ ہے جو مشروط ہو امام
کیواسطے حصہ کی زیادتی پر اور شد میں لام کے معنی حصہ کے تقسیم کئے جانے
ہیں یعنی تقسیم حصہ اللہ اور رسول کا حق ہو تو باقی وغیرہ منسوخ ہو گئے اور

قوله تعالى ان يكن منكم عشرين صابرون يغلبوا مائتين وان يكن
منكم مائة يغلبوا الفا من الذين كفروا ابا قحطم قومه لا يفقهون پس یہ

آیت دلالت کرتی ہے کہ اگر کفار سلہین سے دس درجہ بھی زیادہ ہوں تب بھی
فرا حرام ہے پس یہ آیت بھی منسوخ ہے اپنی آیت متصلہ سے وہ یہی قولہ تعالیٰ

الان خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائة صابرة
يغلبوا مائتين وان يكن منكم الف يغلبوا القين باذن الله والله مع

الصابرين اور قولہ تعالیٰ ان الذين آمنوا وعاجروا وباعوا واباؤا لله واوليهم

في سبيل الله والذين اؤوا ونصروا اولئك بعضهم اولياء بعضهم الذين

امنوا ولم يهاجروا ما لكم بئس ولايتهم من شئ حتى يهاجروا پس یہ آیت

دلالت کرتی ہے کہ میراث مہاجرت پر ہی نہ قرابت پر تو یہ منسوخ ہے اس لیے

قولہ تعالیٰ واؤوا لا ارحام بعضهم اولى ببعض في كتاب الله اور

سورۃ النور سے قولہ تعالیٰ الثاني لا ينكح الا زانية او مشركة والثانية

لا ينكحها الا زان او مشرك وحرم ذلك على المؤمنين پس اکثر نے کہا کہ

اس آیت سے ناجائزہی نکاح مرد زانی کا زن صالحہ کیساتھ اور نکاح زن

صالحہ کا مرد زانی کیساتھ پس وہ بھی منسوخ ہے اس آیت ہی قولہ تعالیٰ وانكحوا

الايمانى منكم والصالحين من عبادكم واممائكم پھر تحقیق وہ امر ہے جو

نکاح صحابین کا غلام اور لونڈی ساتھ خام اس سے کہ صلح ہوں یا نہ ہوں
 وقوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى
 تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا وَقوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُذْهِبْ
 الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَمْلِكُوا الْحُكْمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ
 صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ
 پس پہلی آیت دلالت کرتی ہے کہ غیر کو بلا اجازت کیسوت غیر کے مکان میں
 آنے کی اجازت نہیں اور دوسری آیت دلالت کرتی ہے کہ غلام اور بچہ نکو بھی اون
 میں وقتوں میں بلا اجازت آئیں کی ممانعت ہے پس بعض کے نزدیک وہ دونوں
 آئینہ نسوخت ہیں اور ہمارے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک غیر نسوخت
 اور باقی ہیں اور انکا حکم جاری ہے لیکن اس کی تعمیل میں لوگ سست مہربان
 ہیں اور سورۃ القصص سے قولہ تعالى عَلَيَّ أَنْ تَأْخُذَنِي نَفْسِي یہ ہے
 قصہ کے طریقہ پر جبکہ نکاح ہوا حضرت موسیٰ علی نبیا وعلیہ السلام کا جب حضرت
 شعیب سے اور انہوں نے شرک کی حضرت موسیٰ سے آٹھ یا دس برس بکریاں
 چروائی پس اس سے ثابت ہوا کہ کیونکہ مہراؤ کے والد کو دیا جائے تو
 جائز ہے لیکن یہ نسوخت ہو گئی اس آیت سے قولہ تعالى وَأَتُوا النِّسَاءَ
 صَدُوقًا قَلِيلًا مِمَّا تَرَكَ آبَاؤُكُمْ لِمَنْ كَانَتْ مِنْكُمْ إِهْلَالَةٌ اس آیت کا اشارہ ہے کہ عورت کو مہر دیا جائے نہ کہ
 اونکے والدین کو اور یہی مخصوص ہے جیسا کہ تفسیر حسینی میں ہے اور سورۃ الاحزاب
 سے قولہ تعالى لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِهَا اِنْ تَفْهَمُ لِمَا يَكْتُمُ اللَّهُ لَكَ لَعَلَّكَ
 تَتَّقُونَ ہر آنحضرت صلعم کو نکاح کی بعد نہ عورتوں کے اور فی نفسہ ایسا نہیں

ہر جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کو وقت رحلت تک نکاح کی حرمت نہ تھی پس وہ منسوخ ہوا اس آیت سے
 جو اس کے قبل ہے۔ قوله تعالى: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ
 الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ (قوله تعالى: شَرَحِي مِنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ فَيُؤْثِرِي
 إِلَيْكَ مِنْ تَشَاءُ) اور یہ بھی ایسا مقام ہے کہ ناسخ منسوخ سے مقدم ہوا اس
 تلاوت کے نہ از رو سے نزول کے اور سورۃ الاحقاف سے قوله تعالى
 مَا كُنْتُ بِدُعَايِ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ (یعنی مغفرت
 اور عذاب کی بابت کہا صاحب اتقان نے کہ وہ سورہ بقرہ ہی پھر ہنگام
 فتح کہ منسوخ ہو گئی عام حدیث میں اس قول الہی سے قوله تعالى لِيُخَيِّرَكَ
 اللَّهُ مَا تُنْقِذُ مِنْ ذَنبِكَ وَمَا أَخَرُ) جیسا کہ منصوص کرنا انا اس کو صاحب
 کشاف نے اور سورہ محمد علیہ السلام سے قوله تعالى احْتِجْ إِذَا اتَّخَذْتُمُوهُمْ
 ذُنُوبَ الرِّفَاقِ قَامًا مَمْنُونًا بَعْدُ وَإِنَّمَا فِدَاءُ) امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے کہا کہ ہزار
 نزدیک من یعنی احسان اور فدیہ جائز نہیں قتل میں بلکہ فقط قتل واسترقاق
 جائز ہوا اس واسطے کہ وہ منسوخ ہے آیت بارات سے اور امام شافعی و احمد حنبلی
 رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک غیر منسوخ اور باقی ہے کیونکہ اس کے نزدیک امام
 تمام قتل اور استرقاق اور احسان رکھتی ہیں آزادی کا اور فدیہ لینے میں مال
 سے یا مسلمان کے قید رکھنے میں قیدیوں سے اور سورۃ الحجرات قوله
 تعالى إِنَّا أَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاكُمْ کہا گیا ہے کہ یہ بھی منسوخ ہے لیکن صحیح ہے
 ہے کہ باقی ہے مگر آدمیوں نے اس سے سہل انگاری کی ہے اور سورۃ الحجرات سے

قوله تعالى اذ انا جئتمو الرسول فقتلوا مبين يذم من جحد الله
 پس تحقیق یہ دلالت کرتی ہے فرضیت صدقہ پر وقت سوال بجوئی کے انحضرت
 سلم سے یہ بھی منسوخ ہو آیت متعلقہ سے اور وہ یہ ہے قوله تعالى ذالک
 خیر لکم واطہر فان لم یجدوا فان الله غفور رحیم اور سورۃ الممتحنہ
 سے قوله تعالى اذ جاءکم المؤمنات مهاجرات فامتننواھن و
 قوله تعالى واتوھم ما انفقوا وقوله تعالى واسئلوا ما انفقتم
 ولسئلوا ما انفقوا قوله تعالى فانوا الذین ذہبت ازواجھم مثیل
 ما انفقوا یہ تمام اقوال دو آیتوں میں من انکا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی
 عورت کافر کی مومن کے پاس آئے تو اس کے ایمان کا امتحان کرے پھر
 اس کے شوہر قدیم کافر کو جب قدر اس نے اس عورت پر صرف کیا ہو وہی
 وہی ہے اور علیٰ ہذا برعکس اس کے کافر سے طلب کرے پس یہ آیات بھی منسوخ
 ہو گئیں آیت السیف سے یا سنت سے اور سورۃ المزل سے قوله تعالى
 فیہ الیل الا قلیلا یہ آیت دلالت کرتی ہے فرضیت قیام میں اور قرأت پر
 اکثر شب کو پھر یہ منسوخ ہو گئی آخری آیت سے قوله تعالى فاقتر واما
 لتدر من القران یعنی صرف اسقدر فرض ہے کہ جو آسان ہو پھر وہی منسوخ
 ہو گئی نماز پنجوقتہ سے اور سورۃ البقرہ سے قوله تعالى فیطعموا الطعما
 علیٰ حبیبیکمنا ویتیمنا وایسیرا کہا گیا ہے کہ ایسیر سے مراد ایسیر مشرک
 ہے حالانکہ مشرک کی طرف احسان کرنا جائز نہیں ہے پس وہ بھی منسوخ ہے جیسا
 کہ صاحب اتقان نے ذکر کیا اور اکثر علماء کے نزدیک مشرک پر احسان کرنا جائز

ہی دارالاسلام میں جیسا کہ کشاف میں مفصل ذکر ہے اور یہ آیات مسوختہ ہیں۔ کہ
 جسکے ناسخ یہاں مجملہ ذکر کئے گئے مآدراون کے مقامات پر اوکو مفصل فکر
 کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بحث مسائل مسئلہ ہدم مساجد کو حرام
 ہونے میں اور منع صلوٰۃ کے حرام ہونے میں۔ قولہ تعالیٰ: وَمَنْ أَظْلَمُ
 مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ
 لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
 عَذَابٌ عَظِيمٌ) یعنی کون اس سے زیادہ ظالم ہے جو منع کرے اللہ کی
 مسجد میں اللہ کے ذکر کو اور کوشش کرے اوکی بربادی میں اوکو واس میں
 داخل ہونا نہیں چاہئے کہ خوف کرتے ہوئے اونکے واسطے دنیا میں ذلت
 ہی اور آخرت میں بڑا عذاب ہی واضح ہو کہ جو لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کی نام
 لینے کو مسجدوں میں منع کرتے ہیں اور مسجدوں کی بربادی میں سعی کرتے ہیں ان کو
 مسجدوں میں داخل ہونے یا رہنے کا حق نہیں اوکو مومنین سے ڈرتے ہوئے
 مسجد میں جانا تھا ان کی واسطے تو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ہی بخوبی
 سے مراد حربی کی واسطے قتل اور قید ہی اور ذمی کے واسطے ذلت اور جزیرہ اور
 آخرت میں عذاب دوزخ جیسا کہ تفسیر کیا اوکو بیضاوی نے اور دنیاوی
 ذلت سے مراد اونکے شہر و نکا فتح ہونا مثل قسطنطنیہ و رومہ و عموویہ وغیرہ
 کے جیسا کہ ذکر کیا صاحب کشاف نے اور امام زاہد نے اور قتل کیا امام ندوی
 نے اس قصہ کو اس طرح کہ یہ ایک بادشاہ کا قصہ ہے جس کا نام بططوس تھا اور
 وہ نصیرانی بادشاہ تھا اس نے یہودی عداوت میں بیت المقدس کو خراب کیا تھا اور نوراۃ

کو جلا دیا اور بذر دین ڈلوا دیا اور یہودیوں کو قتل کیا اور ان کے ازدواج اور
اولاد سے بدسلوکی کی یا بخت نصر بادشاہ مجوسی نے نصرانی لوگوں کی اولاد کو واسطی
یہودیوں کے ساتھ منظام مذکورہ کو رد کیا اور یہ ایک بہت بڑا قصہ ہے جو سورۃ
بنی اسرائیل میں تفصیل مذکور ہے خلاصہ یہ کہ مساجد سے مراد بیت المقدس ہے اور جمع
کا لفظ واحد کیواسطے بوجہ تعظیم لایا گیا ہے یا یہ کہ اس مسجد کا ہر مقام مسجد کی جگہ
ہے دوسری صورت یہ کہ مساجد سے مراد مسجد کعبہ ہے اور یہ آیت شریفین عرب کی
بابت نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ مانع ہو سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل
ہونے سے عام حدیث میں اور انہوں نے کہ مکہ کی بربادی میں کوشش
کی اس طرح کہ وہ ان ذکر الہی کے مانع ہوئے اور عبادت الہی انہیں منہ سے نہ دی
پس لفظ مساجد سے مراد مسجد حرام ہے اور لفظ جمع مثل سابق تعظیماً استعمال کیا
گیا ہے اور اس آیت کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ یہ مسجد اور اس کی تخریب ممنوع
ہے اور اس طرح منع نماز و عبادت الہی حرام ہے اگرچہ وہ مسجد اس مانع کی ملک ہو
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر عید کی ہے اور فقہائے ناجائز گردانا ہے
اور امام زہری نے کہا کہ اسم اللہ سے مراد خاص اللہ پاک ہے کیونکہ اسم اور
سمی میں کچھ فرق نہیں ہوتا کیونکہ اگر فرق ہوتا تو بغیر لفظ اللہ کے ذکر اللہ تعالیٰ
ہو سکتا پس ہاں ہے قول منقرہ کا ہے اتحاد اسم اور ستمی کے قال نہیں میں اور نقل
کیا گیا ہے شیخ ابو منصور ماتریدی سے کہ یہ آیت جمیع تمام کفار کو حق میں ہے کیونکہ تمام
کفار مانع ذکر الہی اور باعث بربادی مساجد ہیں اور مساجد سے تمام مساجد
مومنین مراد ہیں جو رومی زمین پر واقع ہیں مسئلہ شیخ قبیلہ قولہ تعالیٰ

وَاللَّهُ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ سَاءُ الَّذِي قَالَ اللَّهُ وَاسِعٌ عِلْمٌ
یعنی اللہ کے واسطے مشرق اور مغرب کیسے ہیں جہاں کہیں منہ پھیرو تم پس وہی
سمت اللہ کی ہے تحقیق اللہ تعالیٰ وسعت دین والا اور علم والا ہے ہم پہلے ذکر کر چکے
ہیں کہ یہ آیت منسوخہ ہو یا نہ ہو اس کے بارے میں دو چیزیں ہوں گی کہ یہ آیت باقی اور غیر منسوخہ
ہے پہلی یہ دلیل ہے کہ اس سے فرضیت استقبال قبلہ جاتی رہتی ہے کیونکہ اسکا
مشتاہر یہ ہوتا ہے کہ جب طرف رخ کرو وہی سمت اللہ کی ہیں پس یہ آیت یا منسوخہ ہے
یا نفل نماز کی بابت جو سواری پر ادا کی جائے نازل ہوئی ہو یا اشتباہ سمت قبلہ کی
حالت میں اور اگر اس آیت کے یہ معنی لیے جائیں کہ جہاں کہیں ہو تم پھرو اسے
رخو قبلہ کی طرف پس وہی سمت الہی ہے تو بیشک یہ آیت غیر منسوخہ رہتی ہے بلکہ
سمت کے فرضیت کی موکدہ ہے اب واضح ہو کہ ابن عباس سے روایت ہے
کہ یہ آیت کعبہ سے سمت القدس کی طرف قبلہ تخیل ہونے کی بابت نازل ہوئی کیونکہ ابتدائے
آنحضرت صلعم کعبہ کی جانب نماز ادا کرتے تھے پھر بیت المقدس کی طرف آپ نے استقبال
کیا تو کفار نے طعنہ مارا کہ جسے جو اب بن فرمان الہی نازل ہوا کہ جب طرف تم منہ پھرو وہی
سمت خدا ہے خدا کے سمت کی کوئی تخصیص نہیں پھر یہ آیت منسوخ ہو گئی کعبہ سے
جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قَوْلَهُ تَعَالَى فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور
یہ پہلی آیت ہے جو قرآن کریم سے منسوخ ہوئی جیسا کہ امام زاہد نے ذکر کیا اور ضا
الانقان نے اتفاق کیا اور یہی اشارہ کیا قاضی بیضاوی نے اور جہور علماء نے کہا
کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اگر تم مسجد حرام اور بیت المقدس میں نماز ادا کر سکتے
ہے مجبور و ممنوع ہو سکتے تو کچھ مضائقہ نہیں تمام بلاد مشرق و مغرب شریاک کے

میں جہاں تم چاہو نماز ادا کرو اور منہ قبلہ کی طرف کر دو یہی سنت اللہ کی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ حدود المسافر کی بابت نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت ہے کہ جس طرف چاہو منہ کر کے دعا مانگو اس سے نماز ادا نہیں کرے یہی عبارت مدارک کی ہے جو کثافت سے اخذ کی گئی ہے اور امام زاہد نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ نجاشی جب ایمان لایا اور مدینہ کی طرف چلا تو راستہ میں اس کا انتقال ہو گیا پس حضرت جبریل عتریف لائے تاکہ نماز ادا کریں اس کے جنازہ کی پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو کہ نماز پڑھیں ایسے شخص کی جس نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اوس نے جس طرف ہی چاہی نماز ادا کی اُس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ حکم شریع ساعت پر ہے اور اوس نے نہیں سنا تھا مسئلہ عمرؓ اولاد۔ قوله تعالى وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَّهُ قَائِمُونَ یعنی کہا اوں لوگوں نے اللہ کا بیٹا ہے پاک ہے اللہ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے سب اس کے مطیع ہیں یہ روایتیں واقع ہوئی یہودیوں کی جو کہتے ہیں عزیر ابن اللہ ہے اور نصرائیوں کی کہ کہتے ہیں مسیح ابن اللہ ہے اور مشرکین عرب کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ کی دختریں ہیں۔ (نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ) اوس کی تردید اور پروردگار عالم کے تنزیہ میں وارد ہوئی اور وہ یہ کہ کل اس کے مطیع ہیں بطور استدلال کے ہے کہ جو مطیع ہوں اور اس کی مشیت میں داخل نہ کہتے ہوں وہ کب اس کے محض ہو سکتے ہیں۔ لفظ قنوت جس سے قَائِمُونَ مشتق ہوا کہنی دعا کے معنی میں کبھی اطاعت کے معنی میں اور کبھی محض قیام کے معنی میں استعمال ہوا ہے

ہوتا ہے پس ہر حالت و ہر معنی میں عبدیت و عاجزی سے خالی نہیں اور معصوم
 اس آیت سے اس امر کا ثابت کرنا ہے کہ ملوک اولاد نہیں ہو سکتی اس واسطے فقہا
 نے اس سے استنباط کیا ہے کہ بیاباب پر عتق ہوتا ہے یعنی بیاباب کی ملک
 میں نہیں ہوتا اور فرقہ میں اس مسئلہ کی تائید میں اور احادیث بھی ہیں اور علماء میں
 اختلافات علت عتق میں واقع ہوئے ہیں پس ہمارے نزدیک علت عتق ملک
 مد قرابت محرمہ للنکاح ہے مسئلہ کافر امامت نہیں کر سکتا قو کہ تعالیٰ
 وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا
 قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ اِیسی جب حضرت ابراہیم
 علی نبینا وعلیہ السلام نے عرض کیا کہ اے خدا میرے اولاد میں سے سب کو
 یا بعض کو بھی یہ مرتبہ امامت کا عطا فرما تو اس کے جواب میں پروردگار نے
 فرمایا کہ تیری اولاد سے جو ظالم ہوں گے ان کو امامت نہیں ہو سکتی مدعا
 یہ کہ ظالم کو امامت نہیں پہنچتی لفظ ابتلا سے مراد سخت تکلیفات شرعی
 ہیں نہ امتحان اور معنی کلمات میں اکثر نے کہا ہے کہ وہ دہل حکم تھے پانچ تو حصہ
 بالائی جسم کے متعلق اول سر منڈانا دوم لبین کترانا سوم غرہ غرہ کرنا چہارم
 ناک میں پانی ڈالنا پنجم مسواک کرنا اور پانچ حصہ زیرین جسم میں اول انگلیں موڑنا
 دوم ناخن تراشنا سوم منکر برنات موڑنا چہارم پانی سے متعجب کرنا پنجم
 منہ کرنا پس یہ دس امور فرض ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور سنت ہوی
 ہم پر پس سر منڈانا اور بال کترانا ستون ہر مرد پر بحالت نجسہ اور عورت کیواسطے
 جائز نہیں لیکن آیام حج میں صرف قصر جائز ہے اور لبین کترانا لب بالائی کی

مقابل سنت ہو اور اس کے ترک میں گناہ ہو اور شرعاً نہ کرنا مک میں پانی پانا
 اور سواک کرنا ہر وضو میں سنون ہو اور بٹل و مونسے زیر ناف مونڈنا مستون ہو
 اور ناخن ترشوانا مجہد کو سنون ہو یا ہفتہ بھر میں کسی ایک دن اور استنجایاں سے
 سنت ہو اگر ایک دم سے زیادہ نجاست نہ لگی ہو ورنہ فرض ہے اور ختمہ مرد
 کے واسطے سنت ہو کہہ ہو میعاد حلقہ میں امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے توقف
 کیا ہو لیکن یہ اصل ہو کہ غایت بارہ سال تک ہوئی چاہے اور عورت کو ختنہ کی
 ضرورت نہیں۔ اب دعا اس آیت سے یہ ہے کہ فقرہ لا ینال علیہ ظلم من
 سے مستتر نہ لے استیلا کیا کہ فاسق کی امامت جائز نہیں کیونکہ فاسق ظالم ہے
 اور ظالم ممنوع الامامت ہو اس شخص صریح سے اور امامت سے امامت کبریٰ
 مراد لی ہو جیسا کہ مفصل کشاف میں ہو خلاصہ اسکا چوائی سنت نے جو اب
 یہ ہے کہ اگر امامت سے مراد وہ امامت ہے جو مستعمل ہو اسلام میں تو ظالم
 سے مراد کافر ہونا چاہئے کہ وہ ظالم مطلق ہے اور اگر امامت سے
 مراد نبوت ہے تو ظالم ہے مراد ظالم معنی ظالم کے ہون گے
 جو مشہور ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے واسطے نبوت
 کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 کہ ظالم کو نہیں ہو سکتی یہی مضمون مدارک میں ہے اب میں کہتا ہوں کہ بقدر
 تسلیم معنی اولی ظالم سے مراد کافر اور امامت سے مراد امامت مشہور ہوئی
 مسلم کیواسطے اور بقدر تسلیم معانی ثانی یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ نبی معصوم ہونا چاہیے
 تمام گناہ سے کیونکہ ہر گناہ ظالم ہے اسواسطے کہ گناہ تجاوز ہو حق سے اور اکثر

مقام پر کلام اللہ میں گناہ کا نام ظالم لکھا گیا ہے یا گناہ کو فقط ظالم سے تعبیر کیا گیا ہے
 جیسے قولہ تعالیٰ وَلَا تَقْرَبُوا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ اور قاضی بیضاوی
 نے بھی اس آیت کو بابت لکھا ہے کہ اس آیت سے عصمت انبیاء ثابت ہوتی ہے اب
 گفتگو یہ ہے کہ اگر قابل اعتراض کرے کہ امامت سے مراد امامت متعارفہ ہو تو
 ظالم کے معنی کافر کیوں لئے جائیں اور جب امامت سے مراد نبوت ہو تو ظالم کے
 معنی متعارف کیوں لئے جائیں کیا وجہ ہے کہ اس آیت سے عصمت انبیاء ثابت
 ہو اور عصمت امام ثابت نہ ہو اور کیوں فاسق کو امام تسلیم کر لیا جائے پس اگر عصمت
 انبیاء علیہم السلام کی اس آیت سے ثابت ہے تو امام کی عصمت بھی ثابت ہے کہ فاسق
 امامت کے لائق نہیں جیسا کہ کہا قاضی نے اور اعتقاد کیا شیعہ نے کہ امامت
 کے واسطے عصمت شرط ہے اور نقل کیا اوسکو امام تقنازانی نے شرع عقائد میں
 اور جواب شیعہ میں کہا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ امام کے ظالم نہ ہونے سے
 اوسکی عصمت عن الخط لازم ہو جائے لیکن یہ جواب مخالف سے ہماری سلسلہ
 علت عصمت انبیاء کے اور نیز ذکر کیا تقنازانی نے عصمت انبیاء کی بابت کہ قبل
 صد در کبرہ کے استثناء کی کوئی دلیل نہیں اور معتزلہ قبل وحی بھی صد در کبرہ
 کو انبیاء سے متمتع سمجھتے ہیں اور یہ بھی ہمارے اعتقاد کے خلاف ہے اور جو کچھ
 بیضاوی نے لکھا اوسکے بھی خلاف ہے پس خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے مذہب
 کی طرف رجوع کر کے اُس سے استنباط کیا ہے تو ہمارا یہ مذہب ہے کہ فاسق اور ظالم
 وجاہر کی امامت جائز ہے سلطنت کی واسطے کیونکہ ممکن ہے کہ اُس سے حکم موافق حق کے
 صادر ہو اور اسی طرح جائز ہے اسکی قضاء اور شہادت اور امامت نماز میں کرانے کے

ساتھ جیسا کہ شریعہ کی اوس کی ہدایہ میں اور شرط لگائی عصمت کی کیونکہ باوجود
اجماع اور حقیقت خلافت کے حکومت عصمت کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی
نسبت نہیں ہو سکتا اور انبیاء علیہم السلام کی نسبت جو جبر عظمیٰ شان اون کے حکم
بمعصومیت ہو سکتا ہے اور بیضاوی نے جو معصومیت انبیاء کو قرآن کریم سے ثابت کیا
ہو وہ اون کے منصب کے موافق ہو اور ہمارا اندر توافق قول تفسیرانی کے ہے
جس میں معصومیت شرط نہیں جس مقام پر تفسیرانی نے لکھا کہ کلمہ کا نواخذہ میں
مبلغین من اللہ تعالیٰ صادقین (اصحیح) اسکا یہ مطلب ہے کہ مبلغ رسالت میں
انبیاء کذب سے معصوم ہیں عدا کذب نہیں ہوتے یہ تو بالاجماع ہو اور سہوا بھی
نہیں ہوتے یا کثر کے نزدیک ہے پس منقرضہ کے نزدیک قبل وحی اور بعد وحی بھی ہر
حالت میں ہی معصوم کیونکہ حد و گناہ انبیاء سے کسی حالت میں کیوں ہو جو موجب
نفرت ہوگا اور حقیقت میں وہ امور یعنی کبار اور ایسے صفات جو موجب نفرت خلاق
ہوں انبیاء علیہم السلام سے نہیں ہونا چاہئے اور شیخ کے نزدیک صفات و کبار
قبل وحی اور وحی کے بعد سے صادر نہیں ہوتے لیکن ان کے نزدیک تفسیر میں کفر
بظاہر کرنا جائز ہے پس جو ذکر عصمت کسی نبی کی طرف سے بیان کیا جاتا ہے اگر بطریق
احادیث تو مردود ہے اور اگر بطریق تواتر ہو تو اس کے ظاہر ہی معنی مراد نہیں ہیں اسکی
مفصل بحث بڑی کتابوں میں ہو پس حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ حجر منوعہ کے
بابت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہنا کہ (ہذا دینی) اور (بل فعلک کبرئیم) اور
(انی نعیم) متواتر ہیں اور انی بیوی کو بہن ظاہر کرنا بطریق احادیث اور حضرت موسیٰ
کا قبلی کو ناحی قتل کرنا اور حضرت داؤد کا زن اور یاکو باوجود منافق سے بیوی کی

طلب کرنا اور حضرت سلیمان کا مصائب بیا دین مشغول ہو کر نماز کا وقت کرنا
 یعنی پچھرون کے دیکھنے میں مشغول رہنا اور حضرت یونس کا ناکہ صرف
 دور نما اور اللہ تعالیٰ پر غصہ ظاہر کرنا اور ہمارے نبی علیہ السلام کی نسبت قصہ
 زید و زینب منسوب کرنا اسکا اس طرح جواب ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے
 ممانعت کو بھی منتنت خیال کیا نہ نبی حرمت یا سہوا ہو گیا یا قبل بعثت سرزد ہوا
 اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قصہ مرویہ تو بوجہ احاد مرویہ ہی باقی
 تین امور کا سرزد ہونا یا تو ظاہر معنی سے قطع نظر کیجائے یا کہ قبل بعثت ہوئی جیسا کہ
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت جواب ہو سکتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے
 بوجہ طلب نکاح زن اور یا کے کہ امر مشروع ہے جواب ہوگا اور حضرت سلیمان علیہ
 السلام سے یا تو عدم قوت نماز کا جواب ہو سکتا ہے یا بوجہ عذر نسیان کے اور
 حضرت یونس کا غضب یا تو اپنی قوم پر تقایا اپنے نفس پر اور آنحضرت صلیم
 کے متعلق کہا جاتا ہے کہ میل قلب غیر مقدور ہے جیسا کہ مفصل و شرح موافقین
 مذکور ہے اور ہر طرح سے مخالفین کے اعتراضات کا جواب لکھا گیا ہے اور حق یہ
 ہے کہ ہمارے نبی علیہ السلام متفق علیہ کسی منہرہ و کیرہ کے ایک لمحہ بہر کو بھی قیل و حی
 نہیں کر سکتے نہ ہی جیسا کہ مفصل بیان کیا امام ابو حنیفہ نے فقہ اکبر میں اور تمام انبیاء
 خطائے معصوم قرار نہیں دے سکتے یہ بحث بہت طویل ہے اب ذکر تعلیم کریم کریم
 اور اس کے امن ہو نہ کیا جاتا ہے بقولہ تعالیٰ وَاجْعَلْنَا الْبَيْتَ صَلَاةً
لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَانْخُذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلِّينَ وَعِصُوا أَلْوَامَ إِبْرَاهِيمَ وَأَمْنًا
لِلنَّاسِ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ یعنی یاد کر اسے محمد

اوسوقت کو کہ کعبہ کو مقام ثواب و رامن دینے والا گردانا یعنی اس دین سے
 قتل و غارت سے کیونکہ اوس کے حرم میں قتل و غارت حرام ہیں اور بعضوں نے
 کہا کہ جنوں اور جذام و برص سے اور کہا گیا کہ اس دین و نظام اقوام سے مثل
 اصحاب فیل کے اور بعضوں نے کہا شکار سے یہاں تک کہ شہیر اور پھیر یا ہرن پر
 دوڑتا ہی اور ہرن حرم میں آجاتا ہی تو درندہ واپس ہو جاتا ہی اور بعض نے کہا
 کہ اس دین و عبادت اللہ سے اندرون حرم کے دور او سیکو بیان کیا قاضی نے
 ترجمہ جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع بنایا اور اس کی جگہ بھریا اور زیارت
 کے مقام کو نماز کی جگہ رکھوا اور ابراہیم واسمعیل سے عہد لیا کہ جاری گھر
 کو طواف کرنیوالوں اور مجاوروں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے صاف
 رکھو۔ اور واضح ہو کہ کہیں تو خداوند عالم نے کعبہ و کہیں لفظ بیت اور کبھی لفظ
 الحرام اور کبھی لفظ بلدہ اور کبھی لفظ حرم فرمایا ہی اور مدعا سب کا وہی خانہ کعبہ ہے
 اور کثرت الالفاظ اوس کی کثرت عظمت پر دلالت کرتے ہیں اور کتب حدیث سے
 حرمت مدینہ منورہ ثابت ہوا سوائے حرمین کہتے ہیں اور سید الشریف فی شرح
 مشکوٰۃ میں کہا کہ حرمت و تقسیم حرمین کی برابر ہی مگر احکام مختص ہیں کعبہ سے نہ مدینہ
 منورہ سے اور حد و حرم کے یوں ہیں کہ مدینہ کی بابت فرمایا آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے (اللہ یسترہ) مدینہ صمدیہ یعنی مدینہ کا حرم محدود ہی کو
 غیر مدینہ کو تو تک بعض کے نزدیک تو غیر اور تو مدینہ کے دونوں طرف دوپارہیں
 ان سے مراد حدیث میں ہوا اور بعض کے نزدیک یہ ہی کہ غیر و تو دوپارہ کہ بعض
 کے دونوں طرف ہیں اس حالت میں حدیث کا یہ منشا ہی کہ جس قدر فاصلہ مکہ معظمہ میں

درمیان عید و ثور کے واقع ہوا مقدار فاصلہ درمیان طیبہ میں حرم ہوا اور کہ مسئلہ
 کے فاصلہ حرم کو معتبر کتب فقہ میں محدود نہیں کیا البتہ بعض حواشی میں یوں لکھا ہے
 کہ مشرق کی طرف چوبیس میل اور مغرب کی طرف چوبیس میل یا تیس میل اور شمال کی طرف اٹھارہ
 میل اور جنوب کی جانب چوبیس میل اور لفظ اس کا بیان سورۃ آل عمران میں انا انشاء اللہ
 پر متصل آریگا اور یہ جو حکم ہوا کہ (اِنْجِزُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلِّی) گو یہ امر ہے کہ
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر سے رہنے کی جگہ ہی کو یعنی اوس پتھر کو جس پر حضرت
 ابراہیم کا پاسے مبارک کا نشان ہے سجدہ کی سمت قرار دو مگر یہ امر واجب نہیں بلکہ
 امر مستحب ہے کیونکہ کعبہ کے ہر طرف چار سمت میں چار طرف سے نماز ادا کرنا جائز ہے کعبہ
 کو سامنے رکھ کر جس طرف چاہو نماز پڑھو اس آیت کی سی شان نزول یہ ہے کہ ایک دن
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے حرم کعبہ
 میں پھر رہے تھے کہ ایک مقام پر حضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ مقام ابراہیم ہی
 تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اوس مقام کو اپنا قبلہ نماز کریں۔
 آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اسکی بابت ہم کو کوئی حکم نہیں آیا پس اوس میدان مغرب
 قبل یہ آیت نازل ہوئی صاحب کشاف اور بیضاوی ذی اسی پر اتفاق کیا ہے اور دیگر
 مفسرین کی بھی یہی تحقیقات ہی پھر مقام ابراہیم کی بابت بعض نے تو یہ کہا کہ ہر دو رکعت
 طواف میں اوسکو پیش نظر رکھنا واجب ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ ہر دو رکعت بعد
 طواف واجب میں جیسا کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے کہا مگر استقبال مقام ابراہیم
 اوسمیں واجب ہونا بے دلیل ہی غایت یہ کہ مستحب ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا کہ چاہئے ہر طواف کرنا الا بعد ہفتہ کے دو رکعت اس مقام

پر پڑھے یا سرسجہ میں جس جگہ پر اسے ادا کرے تو وہ دو رکعت ہماری نزدیک واجب قرار پائیں اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک سنت میں بوجہ نبوت کے دلیل وجوب کہ اور ہمارے نزدیک دلیل وجوب ہی حکم نبوی ہو اور صاحب ہدایہ کا اسٹال اس حدیث پر ہے اور معنی آیت سے امر وجوب کے ترک کرنے پر ہمارا مدعا اور بھی قوی ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک مقام ابراہیم سے مراد تمام کعبہ ہی اور بعض کو نزدیک موضع مناسک اور بعض کے نزدیک کہ اور مسجد اور بیت جمود کو مقام ابراہیم کہہ میں اور بعض نے کہا کہ (الخندق) ماضی کا صیغہ ہو اسکا پتہ اشارہ ہے کہ تم سے پہلی امت کے اوکو قبلہ گردانا تھا یا پہلی امت کو قبلہ گردانی کا حکم دیا گیا تھا (قطیہ ہیرگ) سے مراد نجاست اور بتوں اور خلیت چیزوں سے پاک کرنا ہی یعنی گناہ اور گناہ کی چسبہ نہ دن سے (کافیہ) سے مراد زائرین ہی اور (عاکفین) سے متیم لوگ اور ذکر کعبہ (النجود) سے نمازی لوگ اور مدارک میں اس طرح لکھا ہے بسکۃ توجہ الی اہل کابینی کعبہ شریف کی طرف نماز میں متوجہ رہنے کی بابت اس باب میں بہت سی آیات معنی صرف و آیات کا بیان اس مقام پر مناسب سمجھا پہلی آیت سے مدح امت ہو اور انکا اجماع محبت ہونا ثابت ہے قولہ تعالیٰ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ترجمہ اور اسبطر

بمعنی تمکو متوسط امت بنایا ہے تاکہ اور لوگوں کے مقابلہ میں تم کو ادب و توازن و تہاد و مقابلہ میں رسول کو ادب بنے پس فرمان الہی کہ اسبطر تمکو امت متوسط بنایا یعنی جیسے تمہارا قبلہ درمیان مشرق و مغرب کے قرار دیا یا تمام قبائون سے تمہارا قبلہ اچھا گردانا اسبطر تمکو بھی اوسط درجہ کی امت قرار دیا کہ تم بالکل غلو کرنے والے

اور نہ تم بالکل تصور کر لو اے ہومنین تمکو بہترین امت اور علم و عمل سے آراستہ
 بنایا (لَا تَكُونُوا أَشْهَادًا) سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب تمام انبیاء علیہم السلام
 کی امتین موجود ہوں گی اسوقت ہر امت سے اُن کے نبی کی بابت دریافت کیا جائیگا
 تو تم اپنے نبی کے نبوت کی شہادت دو گے اور نبی علیہ السلام تمہارے عدالت
 و نیکی کی شہادت دیں گے اور اس آیت کے بیان سے یہاں یہ مراد ہے کہ اجماع حجت
 ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی تعریف فرمائی پس جو امت کہ موصوف ہو
 عدل سے اُسکا اجماع مستحق قبولیت ہے وہ کبھی ناحق پر مجتمع نہیں ہوتی یہی مطلب
 شیخ ابو منصور ماتریدی نے بیان کیا اور یہی قاضی اور صاحب مدارک نے ذکر کیا
 اور فخر الاسلام بزدوی نے بھی اتفاق کیا اور (کَلِمَاتٌ خَيْرٌ مِّنْ ثَنَاءٍ) اور (مَنْ تَشَاقَقَ
 الدُّعْوَىٰ) الخ وغیرہ اس مضمون کی تائید کرتے ہیں مسئلہ توچہ طرف کعبہ کو
 قرآن مجید بقولہ تَعَالٰی قَدْ نَزَّلَ فِيْ قَلْبِكَ وَجَّهَكَ فِي السَّمَاءِ فَكَوْنْ لِّنَفْسِكَ قِبْلَةً
 تَرْضَاهَا حَوْلَ وَجَّهِكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ
 وَانَّ الَّذِيْنَ اَدْرَاكُمْ اَلَيْكُمۡ لَيَعْلَمُوْنَ اِنَّهُۥ اَخْبَقٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْلَمُوْنَ
 ترجمہ تمہارا منہ پھیر پھیر کر آسمان کی طرف دیکھنا ہم ملاحظہ فرما رہے ہیں تو جو
 قبلہ تم چاہتے ہو ہم تمکو اسی طرف پھر جائیگا حکم دیدینگے تو مسجد حرام کی طرف اپنا
 منہ کر لیا کرو اور تم بھی جہاں کہیں ہو اگر وہ اسی کی طرف کو اپنا منہ کر لیا کرو اور جن
 لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے اور ان کے پروردگار سے اور
 جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا اوس سے غافل نہیں ہے۔ واضح ہو کہ دو قبلہ ہیں ایک
 کعبہ اور ایک بیت المقدس کعبہ کو مسجد حرام اور بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ کہتے ہیں

حضرت ابراہیم علی نبیا و علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی اور اس کے جانب نماز ادا فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و حضرت داؤد وغیرہ انبیاء کو بیت المقدس کو کیطرت نماز ادا کرنے کا حکم نافذ فرمایا تاکہ ہمارے حضرت خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ و السلام ساتھ وحی اور ثبوت و مبعوث ہوئے اور بعد وحی تیرہ سال مکہ میں رہی تو جانب کعبہ یعنی مسجد حرام کیطرت نماز ادا فرماتے رہے جب ہجرت فرمائی مدینہ منورہ کیطرت تو آپ حکم دے گئے نماز کا طرف بیت المقدس کی جانب کفار مشرک کرنے لگے اور طعنہ کرتے تھے کہ ہمارا قبلہ منورہ نہیں ہوا بلکہ آنحضرت صلیم بھی اسی کے تتبع میں یہ باتیں سن کر آنحضرت صلیم کو بہت صدمہ ہوتا اور آپ خداوند عالم سے دنیا تبدیل قبلہ کرتے اور آسمان کی طرف متوجہ نہ دل وحی کے رستے تھے اور یہی مدعا ہر دو قدامتوں میں تھقلب و تحجیر فی السماء سے اور بعض نے کہا کہ مکہ میں بھی قبلہ جانب بیت المقدس تھا مگر درمیان میں کعبہ کو لیلیا جاتا تھا یعنی نمازی اور بیت المقدس کی درمیان کعبہ ہوتا تھا یہ روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مگر ضعیف ہے خلاصہ یہ کہ ایک روز مدینہ منورہ میں مسجد نبویہ میں جب کہ آنحضرت صلیم کو سولہ ماہ مدینہ آئے گزر رہے تھے یوم و شبہ نصف ماہ رجب کو آنحضرت صلیم نماز ظہر ادا فرما رہے تھے اور دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ حضرت جبریل وحی لیکر آئے موعظہ دیگر آیات کی پس متوجہ ہو گئے آنحضرت صلیم کعبہ کی طرف اور پوری کی باقی نماز یعنی باقی دو رکعتیں کعبہ کی طرف اس لئے اُسکا نام جامع القبلتین رکھا گیا۔ پہلے اس آیت میں خطاب ہر خاص رسالتہ اب صلیم کیطرت پھر عام ہے تمام مومنین کی طرف اور اسی

طرح عام فرمایا استقام کو اور پاک فراس آیت میں کہ حدیث مذکور یعنی کسی مقام پر کیوں نہ ہو خواہ بیت المقدس میں یا کعبہ میں یا مدینہ میں کہیں ہو تم اپنے ہنہ کو نماز میں کعبہ کی جانب رکھو اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تمام اہل کتاب اس امر کی حیثیت کو جانتے ہیں یعنی وہ جانتے ہیں اگرچہ عداوت سے اقرار کریں اور استدلال کیا اس سے صاحب ہدایہ نے کہ جب کوئی شخص بحالت تحریر خلاف جانب کو نماز ادا کرتا ہو اور اس کو نماز کی حالت میں علم ہو جانب کعبہ کا تو چاہئے کہ نماز میں ہی کعبہ کی طرف پھر جائے کیونکہ جب اہل قبا نے سنا تحویل قبلہ کی بابت اور وہ نماز میں تھے تو انہوں نے اسی حالت میں اپنا ہنہ کعبہ کی طرف پھیر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے اس فعل کو مستحسن جانا پس صاحب ہدایہ نے فعل اہل قبا کو دلیل پکڑا اور فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور دلیل نہیں پیش کیا اسکی یہ وجہ ہے کہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب عدم نزول وحی تھا جب وحی آئی اُسکے موافق عمل ورا کر دیا اور فعل اہل قبا ناجائز بطور غلطی کے تھا اگرچہ انکی راوی میں غلطی ہو کیونکہ اول کو تحویل قبلہ کی اس وقت تک خبر نہیں ملی تھی پس جو وقت آنکو خبر ملی فوراً وہ متوجہ ہو گئے کعبہ کی طرف۔ اس آیت کا نام فخر الاسلام بردوی نے یہ نتیجہ نکالا کہ کتاب اللہ کے نسخ سنت اور سنت کا نسخ کلام اللہ ہوتا ہے کیونکہ پہلے کعبہ کی طرف متوجہ رہنا اگرچہ کتاب اللہ سے ثابت ہے لیکن ادھر کا منسوخ ہو کر بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونا سنت سے ثابت ہوا اور بیت المقدس کا قبلہ ہونا سنت سے ہوا اور اسکا نسخ یہ قول الہی ہو گیا جسکے رو سے پھر کعبہ قبلہ قرار پایا اور صاحب القان وغیرہ دیگر مفسرین نے اسکو ایسا آیت مآ تولا فقم وجہ اللہ کا نسخ قرار دیا ہے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما

اور دوسرے علماء کی رائے میں وہ آیت بھی غیر منسوخ ہے کوئی اسکا نسخ نہیں
 و بجال خود ہے اور یہ بجال خود اور منتشرین نے کہا کہ اللہ پاک نے مسجد حرام
 فرمایا کعبہ نما یا اس واسطے کہ اگر نازی و ور ہو کعبہ سے تو اسکو کافی ہے صرف جاب
 کعبہ منہ کر لینا کیونکہ نزول اس آیت کا مدینہ منورہ میں ہوا تھا لیکن یہ جب ہے کہ مسجد حرام
 سے منشا حرم کعبہ ہوا اور صحیح منقطعہ امر یہ ہے کہ حاضرین مکہ کو عین کعبہ قبلہ کرنا چاہئے
 اور غائبین کو سمت کعبہ کافی ہے پھر فقہاء کے نزدیک کعبہ سے مراد عین کعبہ ہے نہ اسکی
 دیواریں کیونکہ نفوذ باللہ اگر کعبہ کی دیواریں نہ ہوں تو بھی اسکی سمت نماز ادا
 کیجا سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی کوہ ابوقیس پر نماز ادا کرے تو بھی ادا ہوگی اگرچہ
 بوجہ عظمت کعبہ مکر وہ ہے تو کعبہ سے منشا اس زمین سے آسمان تک ایک سمت
 کا ہے چنانچہ اہل ہند کو قبلہ کی سمت درمیان مغربین کے واقع ہے یعنی ایک مغرب
 جہان کے موسم گریں غروب ہوتا ہے دوسرے وہ مغرب جہان موسم سرما میں غروب
 ہوتا ہے اون کے وسط میں سمت کعبہ صحیح ہے مسئلہ اِنَّ الشَّهْدَاءَ اَحْيَاءُ
 عِنْدَ اللّٰهِ یعنی شہید لوگ خدا تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں۔ قَوْلُہِ تَعَالٰی وَلَا
 تَقُولُوا لِمَنْ یُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَلٰکِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ ترجمہ
 اے آدمیو جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہو گئے انکو مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں لیکن
 تم حال نہیں معلوم کر سکتے کہتے ہیں کہ یہ آیت شہداء بدر کی پست نازل ہوئی کہ وہ چودہ
 آدمی تھے۔ روایت ہے حضرت حسنؓ سے کہ شہید لوگ زندہ ہیں عند اللہ اور انکی ارواح
 کو رزق دیا جاتا ہے جس سے انکو راحت و مسرت ہوتی ہے جیسے کہ آل فرعون
 کی ازواج کو لوگ دیجاتی ہیں صبح و شام جس سے انکی ارواح کو رنج و عذاب ہے

اور مجاہد سے رویت ہے کہ انکو ثمراتِ جنت سے رزق دیا جاتا ہے اور وہ
 اسکی خوشبو سے خوش ہیں ایسا ہی مارک میں ہے فی الجملہ شہداء زندہ ہیں اور تقسیم
 بہشت انکو پہنچتی ہیں اور قاضی بیضاوی فی اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ تمام
 ارواح جو ہر قائمہ ہیں اور باقی رہتی ہیں بعد موت اور تخصیص شہداء کی اس غرض
 سے ہے کہ انکو قرب الھی تیسرا یا ذہبت و مسرت میں ہیں اور کلام امام زہرا علیہ السلام
 سے ظاہر ہے کہ شہداء کیواسطے لذت رزق بھی ہے قول الھی کی رو سے قولہ تِلْكَ
يَرْزُقُونَ فِي رَحْمَتِنَا اَتَاھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ یعنی وہ رزق پاتے ہیں اور فرمندہ
 ہیں اس سے جو دیا ہے انکو اللہ پاک نے اپنے فضل سے اور انکی ارواح اجسام
 طیور میں جنت میں پھرتی ہیں اور قیامت تک ایسی طرح رہیں گی اور کفار شہداء پر طعن
 کرتے تھے کہ وہ مر گئے اور انکو لذت دنیا بھی نصیب نہوئی تب یہ آیت نازل
 ہوئی کہ وہ زندہ ہیں اور لذت پاتے ہیں اور نیز یہ آیت مستترہ کے رو میں ہے کہ وہ
 کہتے ہیں کہ بعد موت کچھ باقی نہیں رہتا جسم مٹی ہو جاتا ہے اور روح فنا ہو جاتی
 ہے اور انکو جو زندہ کہا گیا ہے وہ باعتبار آخرت کی ہے کہ قیامت میں اللہ پاک انکو
 پیدا کریگا ہم انکے جواب میں یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ پھر تخصیص شہداء کی کس
 غرض سے ہے کیونکہ قیامت میں تو اللہ پاک سب ہی کو زندہ کریگا لیکن واضح
 ہو کہ باوجود اس اعتقاد کے صاحب کشف فی شہداء کیواسطے حیات و نعمت
 بہشت کا پانا ثابت کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اجسام شہداء کو خلاق عالم فی جمع
 کر کے آدمین انکی روح رکھی اور انکو نعیم جنت پہنچتی ہیں اگرچہ انکے جسم کا حجم
 بمقدار وزہ کے کیون نہو یہ بیان سورۃ المؤمنین میں کیا جائیگا جہاں عذاب قبر کا

ذکر ہوا اس آیت سے یہ مراد ہے کہ شہداء تو زندہ ہیں اور لذت پاتے ہیں اور
 عام مسلمین اور کافرین کی ارواح اپنے مقامات جنت و دوزخ سے مطلع
 ضرور رہتی ہیں جیسا کہ دیگر آیات اور نص سے پایا جاتا ہے اس آیت سے رتبہ
 شہداء اس حد تک پایا جاتا ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے شہداء پر نماز جائز نہیں
 رکھی اور دیگر مسلمانوں پر واجب خیال کی ہے مگر حیۃ بقدر حاصل کرنے نعمت کے
 سبب میں ثابت ہے۔ اور ہنوا استدلال کیا اور سوا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت حمزہ کو جنازہ
 پیشتر نماز ادا فرمائی اب واضح ہو کہ ایسا شہید جس پر احکام شہادت باعتبار امور
 دنیوی و اخروی تسلیم کر لئے جائیں وہ ہے کہ مسلمان ظاہر باطن قتل کیا جاوے حدید یعنی
 آگ کہ حرب سے بھارت ظلم اور افسوس بالاجب ہو یا معرکہ قتال میں مجروح ہو یا جاوے
 افسر احکام دنیوی اس طرح جاری ہونگے کہ نہ غسل دیا جائیگا نہ کفن اور نماز پڑھی جائیگی
 اور اسکے واسطے درجات علیا میں عند اللہ اور وہ شہید جس پر احکام دنیوی جاری
 نہیں ہوتے مگر آخرت میں مثل شہداء کو تسلیم کئے جاتے ہیں وہ ہیں کہ غرق ہوں یا حرق
 یا مکان کرتلے دب گئے ہوں یا حدود اللہ کے جاری ہونے سے مر گئے ہوں یا
 راو خدا میں مرے ہوں جیسے طالب علمی کی حالت میں یا جہاد یا حج میں یا جو عورت یا نام
 میں مری ہو یا ہمیشہ میں مرے ہوں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور ایک وہ شہید
 ہیں کہ افسر احکام دنیوی جاری ہونگے نہ کہ احکام اخروی وہ ہیں کہ مقتولین ہوں
 بغیر نیک نیتی کے بلکہ اجرت پر لڑے ہوں یا انہما ر شجاعت کی غرض سے لڑے ہوں
 اور ایک وہ فرقہ ہے کہ نہ افسر احکام دنیوی جاری ہونگے احکام اخروی مثل باغیوں
 اور ہنزوں کے نہ ان پر نماز پڑھی جائیگی نہ ان کو غسل و کفن دیا جائیگا اور نہ ان کو

داسلے آخرت میں درجہ شہادت و رحمت ہو۔ یہ نتائج میرے تحقیقات کا اس باب میں جو میں نے بیان ذکر کیا مسئلہ السعی میں اصفاء و المروۃ فی الحجۃ و العمرۃ یعنی حج و عمرہ میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کا بیان قولہ تعالیٰ اِنَّ

الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ

يَقْطُوفَ بَيْنَهُمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ترجمہ تحقیق صفا و مروہ

اللہ کے آداب کے جگہ میں پس جو حج کرے کعبہ کا یا عمرہ او اس پر ان دونوں

کے درمیان طواف کر نہیں کوئی گناہ نہیں اور جو خوشہ دل سے نیک کام کرے تو

اللہ قدر دان ہی جانتا ہے۔ واضح ہو کہ صفا و مروہ دو کوہ مکہ معظمہ میں واقع

میں پہلا سیاہی لاکل سنگ سخت کا اور دوسرا سفیدی مائل زمانہ جاہلیت میں دونوں

پھاڑوں پر وبت تھے اور کفار بعد سعی کے ان دونوں پر جنم ایک کا

نام اسارا اور دوسرے کا نام نایلہ نقاسح کرتے تھے جب اسلام آیا اور بتوں

کو توڑ پھینکا تو مسلمانوں نے سعی ترک کی اور انکا طواف چھوڑ دیا یہ مخالفت کفار کو

اور خیال کیا کہ یہ گناہ کبیرہ ہی تھا لہذا پاک نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا یہ مطلب ہے

کہ جو کوئی حج یا عمرہ کرے اسکو صفا و مروہ میں سعی کرنے سے کوئی گناہ نہیں اس

سے محض اباحت پائی گئی مگر اسکو سباح سے زیادہ منظور کیا ہو پس نزدیک امام

احمد علیہ الرحمۃ کے سنت ہے اور اسطرح بیان کیا اسکو انس بن مالک اور ابن

عباس رضی اللہ عنہما نے اور منصوص کیا اسکو قاضی بیضاوی ذی اور صاحب کتاب

نے کہ مفہوم است کا اباحت ہے اور بوجہ فعل رسول اللہ سنت ہے اور نزدیک امام مالک

اور امام شافعی کے رکن ہر حج و عمرہ سے اسواسطے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ سعی

کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کیا تم پر بھی کرنا اور ہمارے نزدیک واجب ہے بوجہ ملاومت
 فعل آنحضرت صلعم کے اور پابندی صحابہ رضی اللہ عنہم کے جیسا کہ فصل اسکا ذکر کتب فقہ
 میں ہے اور حقیقت سنی یہ ہے کہ جب نامہ رخ ہو طواف بیت اللہ سے تو چتر ہے صفا پر و سائو
 رکھے بیت اللہ کو اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے اور درود بھیجے بنی علیہ السلام پر اور انہما
 و دونہما بعد اور دعائے جو چاہتا ہو پھر چلے جانب مروہ کے و درتا ہوا دون
 ہنر سیلون کے درمیان اور چڑھے مروہ اور وہی کام کرے جو صفا پر کیا تھا اس
 طرح سات بار آئے جائے شروع کرے صفا سے اور ختم کرے مروہ پر اسی
 طرح کتب فقہ میں ہے اور اختلاف کیا فقہانے ابتداء سنی میں صفا سے کہ آیا وہ
 واجب ہے یا کیا تو کہا امام ثنا فی علیہ الرحمہ نے کہ واجب ہے و دیلون سے پہلی
 یہ کہ کلام اللہ میں اول لفظ صفا آیا پھر مروہ و افاق و لالت کرتی ہے تاخیر پر دوسری
 دلیل فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہم پہلی دلیل کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اللہ پاک
 نے و دون کے درمیان سعی کرنا جائز فرمایا نہ کہ ترتیب البتہ بوجہ فعل رسول اللہ
 ہم بھی واجب جانتے ہیں۔ اور بزروی نے بھی اس طرح بحث حروف میں ردوا
 کے سنی میں بیان کیا ہے اور (مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا) سے مراد یہ ہے کہ جس پر قرآن نہ ہو
 اور و حج یا عمرہ ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرماتا ہے اور اسکا بدلہ نیک
 عطا کرتا ہے اور سپر کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے مسئلہ بعض اشیاء کا بیان
 جنکا کھانا ہم پر حرام ہے۔ قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ
 طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّكُمْ تَعْبُدُونَهُ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ
 الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِزْيَرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ فَمَنْ أَصْطَرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا

عَادِ فَلَا يَأْتُمُ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ رَحِيْمٌ مَّرْحَمٌ اے مومنو تم نے جو تم کو رزق
 طیب دے رکھا ہے اور اسکو کھاؤ اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو اور
 حرام کیا تم پر مبرا ہو جانور اور خون اور سور کا گوشت اور اللہ کے سوا کسی اور کے
 نام پر ذبح کیا جائے پس جو شخص بے قرار ہو جائے اور عدد دل حکمی کرنے والا اور
 حد سے بڑھ جائے والا ہو تو اسپر گناہیں تحقیق بخشے والا مہربان ہے واضح ہو
 کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے طہیات کے کہانے کا حکم دیا اور اسپر شکر ادا کرنا واجب گردا
 د تمام محرمات سے نہی فرمائی پس طہیات مطلق حلال ہیں بعض مفسرین نے بیان کیا کہ
 طہیات سے مراد اس آیت میں ہے کہ بحیرہ اور سائبہ اور وعیلہ اور حاشی وغیرہ
 سب کو کھاؤ (فائدہ از متحسم) بحیرہ دسوان بچہ اونٹنی کا جسکو زائد طہیت
 میں آزاد کر دیتے تھے اور اوسکا گوشت نہیں کھاتے تھے جیسے ہندوستان میں
 سائڈیل سائبہ وہ اونٹنی جس کا دسوان بچہ بحیرہ کے نام سے موسوم ہوتا تھا
 اوس اونٹنی کو سائبہ کہتے تھے اور اوسکو بھی آزاد کر دیتے اور اوسکا دودھ و
 گوشت نہیں کھاتے تھے و وعیلہ وہ گوسفند مادہ کہ سات بچہ دے چکی ہو اور
 آٹھویں دفعہ ایک بچہ نر اور ایک مادہ ساتھ دے کر اوسکو بھی آزاد کر دیتے تھے اور
 حاشی اوس شتر کو کہتے تھے جسکی پشت سے دو نسلیں نکل چکی ہوں غرض اقسام مذکورہ
 کو زائد جاہلیت میں آزاد کر دیتے اور اون کا گوشت نہیں کھاؤ و دوشتر اتنی
 اون کے واسطے اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ طہیات ہیں انکو کھاؤ اور شکر اٹھی بجالاؤ
 اور اونکے اقسام کو کھاؤ اور میتہ اور اوسکو اقسام حرام ہیں انکو گوشت کھاؤ اور بعض علما
 نے کہا کہ یہ خطاب ہی عبد اللہ ابن سلام کی طرف ہے اوس نے اور اوسکے احباب

نے اسکا گوشت حرام خیال کر لیا تھا اپنے اوپر تو خداوند عالم نے منقبتہ فرمایا کہ
 مثل یہود وغیرہ کے تم نہ کرو اور ممکن ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے کہ حرام بھی
 رزق ہے مثل حلال کے تو خود بھی جائز ہے کیونکہ حلت و حرمت ایک بات ہے اور طیب
 اور خبیث دوسری بات ہے تو یہ اسی حالت میں ہوگا جبکہ طیب اور حلال کے
 ایک معنی ٹھہریں کیونکہ ہم میں اور مستقر لہ میں فقط حلال اور حرام میں بحث ہے
 نہ فقط طیب و خبیث میں اور کہا گیا ہے کہ حلال وہ ہے جس کی بابت مفتی نے فتویٰ
 حلت کا دیا ہو اور طیب وہ ہے جس کی پاکیزگی کے بابت قلب گواہی دے جیسے
 فرمایا آنحضرت صلی علیہ وسلم نے کہ (دع ما یریبک الی ما لا یریبک) یعنی جس میں
 قلب گواہی نہ دی اور اسکو چھوڑ دے۔ اور کہا گیا ہے کہ حلال طیب وہ ہے جس سے
 نہ دنیا میں کوئی برائی ہو نہ آخرت میں عذاب لازم آئے اللہ پاک نے مختلف
 مقامات پر اسکا ذکر کیا ہے کہ میں فرمایا کہ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا**
طَيِّبًا یعنی اے آدمیو کھاؤ جو کچھ زمین میں ہے حلال اور پاک چیزیں اس میں عام
 بنی نوع کی طرف خطاب ہے کوئی تخصیص مومن و کافر کی نہیں اور ایک جگہ فرمایا کہ
قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ترجمہ یعنی
 اے مومنو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو تمکو رزق دیا گیا ہے اس میں صرف مومنین کو مخاطب
 فرمایا **قوله تعالى يَا أَيُّهَا الرِّسَالُ كُلُوا مِن الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا** اس میں
 مخصوص فرمایا رسولوں کو اور زاہدی نے کہا کہ اس قسم کی آیتوں سے ثابت
 ہوتا ہے کہ اصل تمام اشیاء کی اباحت ہے جب تک اسکی حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو اسکا
 پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں اور محرمات بہت سے ہیں جن کا مفصل ذکر کتب فقہ میں

ہی اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات میں اودنی بابت فرمایا ہے جو اپنے اپنے
موقعوں پر بیان ہونگے یہاں بعض کا اودنیں سے ذکر فرمایا ہے پس میتہ سے مراد وہ
حلال جانور ہے جو بغیر ذبح کے مر گیا ہو اور نیز وہ عضو قسطنوع جو زندہ جانور سے
علیحدہ ہو گیا ہو لہذا کھانا حرام ہے اور اودن کی پوست کو بعد و باعث نفع حاصل کرنا
حلال ہے بخلاف اہام بالک علیہ الرحمہ کی اور اسی طرح انتفاع پانا اودسکے بال اور
سینگ اور ہڈی اور پھون اور کھڑے سے جائز ہے کیونکہ مانعت اکل کی نہ انتفاع
کی اور اگر میت کچا دی اوسکی عینیت کو طرف مجازہ انجلائ نام شافعی علیہ الرحمہ کی ان
سب اشیاء کی حرمت ہو جائیگی تو یہاں اکل سے تناول مراد ہو گا اور جسے
ان اشیاء کو حرام گردانا بعد و باعث بھی ناجائز جانا اوس ذاکل کے معنی کو تناول
کے معنی میں لیا تاکہ اکل و شرب و دیگر منافع کو شامل ہو (دم مسفوح) یعنی خون
اگر اہوا حرام ہے جو جانور سے نکلا ہوا ہو اور دم مسفوح کو متعلق شرح وقایہ میں
مفضل تحریر ہے وہاں دیکھ لینا چاہیے اور مدارک و کشاف میں ہے کہ دو خون اور
دو مردہ جانور حلال میں از روی اس حدیث کے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
کہ دو خون یعنی کلیجی اور تلی جب کو عربی میں کبد اور طحال کہتے ہیں اور دو مردہ جانور
ایک ہڈی دوسری مچھلی جب کو عربی میں جراد اور سمک کہتے ہیں یہو حلال ہیں یہی ہڈی
میں ہے (خنزیر) یعنی سور حرام مطلق ہے اور اوس سے مطلق انتفاع جائز نہیں بجز
بالون کے موزہ وغیرہ سینے کو ضرورتاً اگرچہ لفظ لحم صرف ذکر فرمایا اللہ پاک
نے اور رما اھل بہ لعلہ اللہ) سو یہ مراد ہے کہ جو جانور سوا نام اللہ کے کسی کی
نام پر ذبح ہو حرام ہے خواہ بتوں کا نام ہو خواہ انبیاء علیہم السلام کا نام پس

اگر غیر کا نام صرف لیا جائے یا اللہ کا نام مع دوسرے نام کے لیا جائے
کوئی گنہگار نہیں اللہ و محمد رسول اللہ اور مہدی علیہ السلام کو ذبح کرتا ہو ان اللہ کے نام
پر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر تو حرام ہے اور اگر یوں کہے کہ ذبح
کرتا ہوں اللہ کے نام پر جبکہ رسول محمد صلعم ہی تو مکر وہ ہو گا حرام نہیں اور قبل اسم اللہ
یا نور کو ٹٹائے وقت یا بعد ذبح کسی کا نام لے تو کچھ حرج نہیں ایسا ہی ہدایہ میں
پس اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کے نذر کا بکرا ذبح کرنا جیسا کہ ہماری زمانہ
میں رواج ہے بشرطیکہ وقت ذبح بجز نام خدا کے کسی دوسری کا نام نہ لیا جائے تو
حلال طیب ہے اور یہ نام حکم حرمت کا بحالت اختیار ہی نہ اضطرار کی حالت میں
یعنی مجبوری کے حالت میں حرمت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمِنْ أَضْطَرٍّ
اور غَیْرِ بَاغٍ (ولا عَادٍ) سے یہ نثار ہے کہ مجبوری کے وقت جب جان کا
خوف ہو رخصت ہے نہ لذت کے واسطے نہ ضرورت سے زیادہ استعمال کیواسطے
اجازت دی گئی اور غَیْرِ بَاغٍ ولا عَادٍ کے بابت چند معنی پیدا کئے مگر ان کو بیان کرنا
چندان ضروری نہیں بخت طلب یہ امر ہے کہ مضطر کے لئے جو حلال کیا گیا ان
محرمات کو یہ حلت اقسام الربہ سے کوئی قسم ہے تو امام شافعی علیہ الرحمہ
نے فرمایا اور ابو یوسف سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ ہر دو نوع حقیقی سے ایک
نوع ہی یعنی رخصت اکل بحالت اضطرار دی گئی ہے اس سے حرام چیز کی
ذاتی حرمت ساقط نہیں ہوتی تو اگر کوئی شخص صبر کرے اور ان محرمات سے
نکھا کر یہاں تک کہ مرجائے تو وہ گنہگار نہ مرا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ ذُو غَضَبٍ لِّمَن مَّغْضَرٍ کا اطلاق دلالت کرتا ہے حرمت کی باقی

رہے کہ اور ہماری علمائے کہا کہ یہ ہر دو نوع مجاز سے ایک نوع ہی یعنی اولیٰ
حرمت مطلق ماقدر ہو جاتی ہے اضطراب کی حالت میں پر اگر کوئی صبر کرے اور نہ
نہ کہائے یہاں تک کہ مر جائے تو وہ کہنگا و مرا جیسا کہ فرمایا قَوْلَهُ تَعَالَى وَقَدْ
فَصَّلَاكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّرَقْدَ إِلَيْهِ اس حالت میں اللہ پاک
نے مضطر کو مستثنیٰ فرمایا ہو اور مستثنیٰ کا حکم مستثنیٰ منہ سے الگ ہوتا ہے تو حرمت
ذائل ہو گئی اور چونکہ قبل تحریم یہ محرّمات مباح تھے تو بعد استثناء کے وہ اپنی
حالت سابقہ یعنی اباحت پر قائم رہیں اور منفرت کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہو بقدر ضرورت یا بقدر جان بچانے کے کھاؤ لیکن کسی سے یہ احتیاط
یا سبب اجتہاد یا سبب اضطراب نہ ہو سکے اور مقدار ضرورت سے کچھ زیادہ کھا
لیا تو اس کے واسطے اللہ پاک غفور و رحیم ہو معاف فرما دیگا یہی مدعا ہے
بزودی کی حواشی کا اور زاہدی میں اختلاف فریقین کے باب میں مطلق زیادہ
بحث کی گئی ہے خلاصہ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ یہ اشیاء مذکورہ تم پر حرام ہیں جب
تک تم انکے کھانے پر مضطر و مجبور نہ ہو اور اگر مجبور ہو تو بقدر ضرورت کے کھا
لو یہی بیضاوی میں ہے (مسئلہ ایمان مفصل کے بیان میں اور حکام
اسلام میں) قَوْلُهُ تَعَالَى لَيْسَ إِلَٰهَ الْإِنسَانِ تَوَلَّوْا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
ثُمَّ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ يَوْمِنَا الْيَوْمَ الْآخِرِ وَالْمَلَأْنَا كِتَابَ الْيَقِينِ
وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوَالْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ مِمَّا بِنَا السَّبِيلِ وَالسَّالِفِينَ
وَفِي الرِّقَابِ رَاقِمَ الصَّلَاةِ وَالْزُّنُورَ وَالْمُؤْمِنِينَ يَهْدِيهِمْ إِذَا عَاهَدُوا
وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا

اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ ترجمہ نیکی پرستین ہیں کہ اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف
 کر بلکہ نیکی اور نیکی پر جو اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور نبیوں پر ایمان لائی
 ہیں اور مال اللہ کے حب پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں
 اور مانگنے والوں کو اور گردنوں کی آزادی میں دیا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ
 ادا کی اور عہد کو پورا کرتے ہیں اور تنگی اور تکلیف میں اور پریشانی کی وقت صبر کرتے
 ہیں یہی لوگ ہیں جو سچے نیکے اور سچی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں واضح ہو کہ
 تمام کلام اللہ میں آیات ایمان و اسلام اور وعظ و وصیت کثرت سے ہیں مگر
 چونکہ یہ آیت اکثر مسائل اور فوائد کی جامع ہے جیسا کہ روایت کیا گیا ہے آنحضرت
 صلعم سے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے جو کوئی عمل کریگا اس آیت پر اس کا ایمان
 کامل ہو جائیگا تو میں نے بھی اسی آیت کو مقدم رکھا اور واضح ہو کہ اس آیت
 میں یا تو خطاب ہے صرف یہود و نصاریٰ کی طرف کیونکہ یہود کہتے تھے کہ ہم مغرب
 کے جانب سمت بیت المقدس نماز ادا کرتے ہیں وہ ہم کو کافی ہو اور نصاریٰ
 کہتے تھے کہ ہم مشرق کے جانب نماز پڑھ لیتے ہیں یہی ہم کو کافی ہے اور ایمان کی
 اس سے زیادہ کیا ضرورت ہو تو اول کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی یا یہ
 خطاب ہے تمام اہل کتاب اور مؤمنین کی واسطے کیونکہ مؤمنین باہمی فضیلت کعبہ
 اور فضیلت بیت المقدس کے بابت بحث کرتے یا اہل کتاب سے قبلہ کی
 بابت بحث کرتے اور محض امر قبلہ کو ایمان کے واسطے کافی سمجھتے تھے تو ان کی
 جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صرف قبلہ کے ست میں نیکی محصور نہیں بلکہ نیکی
 کے واسطے اس قدر امور کی ضرورت ہو اور ہمارے خیال میں پہلی توجہ مناسب

معاوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک درنی ہوا در کعبہ اوس سے جنوب میں واقع ہے
 در مشرق میں البتہ کعبہ بیت المقدس سے مشرق میں ہوا اور بیت المقدس کعبہ
 سے مغرب میں اگرچہ وہ نو مائے سورہ سے مشرق و مغرب میں ہوں ہر شہ تعالیٰ
 نے ابراہیمؑ کی تقسیم کیا تھا اور پر اول ایمان دوسرے عطار مال سوم اور
 ناز چارم اور زکوۃ پنجم ایفا و عہد ششم صبر اور تفصیل کی ایمان کی پانچ
 امور سے اول وحدانیت الہی نہ مثل یہود و نصاریٰ کے نفوذ با خدا کی اولاد ماننا
 دوم یوم قیامت یعنی قیامت کے روز سب کا حساب ہو گا ہر ایک عمل کی جزا
 ملیگی اور اوس کی کے متعلق جنت و دوزخ صراط و ضلالت و غیرہ پر بھی ایمان
 لانا سوم ملائکہ پر ایمان لانا کہ وہ تمام مخلوقات الہی ہیں اور اوس کی حکم کی تعمیل کرنی
 والے اور مذکور و منوث ہونے سے بری ہیں نہ مثل کفار کے ملائکہ کو نفوذ با خدا
 اللہ پاک کے دخترین ماننا اور نہ مثل یہود کے جمیع ملائکہ کو دوست اور حضرت
 جبریلؑ کو دشمن قرار دینا تمام ملائکہ کا حصر کہ کس قدر ہیں کہیں نہیں لکھا نہ کسی حد
 سے ثابت ہوا لیکن اون میں سے چار جو مقرب الہی ہیں اور ان کی بابت بہت سی
 آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں وہ یہ ہیں حضرت جبریلؑ حضرت میکائیلؑ حضرت
 اسرافیلؑ حضرت عزرائیلؑ چارم کتب پر ایمان لانا کہ کتب سے مراد یا تو محض قرآن شریف
 ہی یا تمام وہ کتب جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں اور وہ چار ہیں تواریخ حضرت
 موسیٰؑ پر اور انجیل حضرت عیسیٰؑ پر اور زبور حضرت داؤدؑ پر اور فرقان حضرت محمدؐ
 مصطفیٰؐ علیہ السلام پر اور صحیفہ میں پچاس تو حضرت شیثؑ پر اور تیس حضرت
 ادریسؑ پر اور دس حضرت آدمؑ پر اور دس حضرت ابراہیمؑ پر اور بعض روایتوں میں

ہو کہ سین حضرت ابراہیمؑ ہر اکو حضرت آدمؑ پر کچھ نہیں مگر مجموعہ ایک سو کا ہوتا ہو
 اسی طرح ذکر کیا اسکو قسبہ للولیت نے بیچم انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا کہ وہ
 سید انبیاء مومنین اللہ تبارک و تعالیٰ نے نازل کر دیے کہ صرف حضرت موسیٰؑ پر ایمان رکھتے
 ہیں نہ مثل نصاریٰ کے کہ صرف حضرت عیسیٰؑ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض احادیث
 میں تعداد انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار
 بہتر ہے کہ تعداد انبیاء کی منحصر نہ کیا جائے بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ جب قدر
 پروردگار نے انبیاء بھیجے سب برسر حق تھے اور رسول اور نبی سے تین تین
 تیرہ ہوئے جیسا کہ احادیث میں ذکر ہے اگرچہ نبی اور رسول مراد ہے بعض کے
 نزدیک مگر جمہور کے نزدیک نبی عام ہے اور رسول خاص ہے کہ صاحب کتاب
 و شریعت ہو پر خدا تعالیٰ نے لفظ انبیاء سے ذکر فرمایا جو عام ہے اور لفظ نبیین سے
 یہ لطیفہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ جمع مذکر سالم ہے تو اشارۃً ثابت ہوا کہ نبی ہمیشہ مذکر
 ہوئے موت کوئی نہیں ہوا جیسا کہ بعض فی خیال کیا کہ چار عورتیں بھی نبی ہوئیں
 یعنی حضرت حوا اور سارہ و ام موسیٰ و ام عیسیٰ یہ ایک لطیفہ جو مدت سے
 میرے قلب میں پھرتا تھا میں نے اسکو بیان درج کر دیا اب یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
 مقدم کیا یوم قیامت کو اسکی یہ وجہ ہے کہ وہ خیال انسانی سے بہت بعید معلوم ہوتا
 ہے اسواسے پہلی اور پراپان لانا ضروری اور پھر مقدم کیا ملائکہ کو کتب پر اور
 کتب کو انبیاء پر اسکی ترتیب اسوجہ سے بہت درست ہے کہ انبیاء پر کتاب نازل ہوئی ہے
 اور کتاب ہر سلسلہ ملائکہ آتی ہے تو ملائکہ مقدم ہوئے پھر کتاب پھر انبیاء ایمان مہمل
 ہے کہ انسان کو کہ ایمان لایا میں اللہ پر اور تمام اون اسور پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

بیان فرمائے اور ایثار مال کو جب کی قید اس واسطے لگائی کہ حب اللہ پر ایثار کا
ثواب و ربی زیادہ ہوگا اور مصارف مال میں اس طرح چہ نہیں فرمائیں تراشے دار
اور تیم یعنی ایسے نابالغ بچے جنکے والد مر گئے اور سبکین یعنی محتاج جسکے پاس
کچھ نہیں اور ابن اسبیل یعنی مسافر مہمان اور مال یعنی ایسا شخص جو سوال کرے
اور یہ زیادہ مستحق ہی موافق فرمائے آنحضرت صلعم کہ آپ نے فرمایا کہ مسائل کا
مجھ پر حق ہی اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو کر سوال کرے اور (فی الثواب) یعنی مگاہ
کا معاوضہ دیکر آزاد کرنا یا قیدی کو روپیہ ادا کر کے آزاد کرانا اور اور طرح ملوک کو
خرید کر آزاد کرنا پر یہ ایثار مستحب ہیں واجب نہیں اور زکوٰۃ واجب ہی پھر بیفا کو عہد
سے مشروط کیا اسکا یہ مطلب ہی کہ خواہ اللہ تعالیٰ سنے کبھی عہد کیا گیا ہو خواہ بندے
سے اور سلو پور کرنا چاہئے اور فقر اور شدت میں صبر کرنا اور زمانہ مرض اور وقت
قتال میں صبر کرنا چاہئے اور امام زہدی نے کہا کہ یہ ایت جنگ خندق کے روز نازل
ہوئی تھی جبکہ مؤمنین پر بہت سختی تھی اور دیرینہ منورہ میں سخت فحط تھا اور گرمی کی
کثرت تھی اور اکثر صحابی ایک ایک ہفتہ سے بھوکے تھے یعنی طعام نہیں ملا تھا
مسئلہ وجوب قصاص میں اور معاف کرنے کے بیان میں قولہ تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرُّ بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ مَنْ عَفَىٰ لِمَنْ أَخْبِرَهُ شَيْءٌ فَاتَّبَعَ بِأَلْفِ مَعْرُوفٍ وَأَدَاءٍ إِلَيْهِ

بِأَحْسَنِ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّنْ دِينِكُمْ وَرَحْمَةٌ مِّنْ عِندِي بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ

أَلِيمٌ وَلَكُمُ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ترجمہ اور

ایمان والو تم کو مقتول کے بابت قصاص کا حکم دیا گیا آزاد کے بدلے آزاد وغلام

کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت میں جس شخص کو اس کے بہائی کی
 کچھ معاف کر دیا تو چاہئے مرنے پر چلنا موافق دستور کے اور پھر نچانا اور سبکو نیکی سے
 یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور بہائی بھیر جو زیادتی کرے بدلے کے
 تو اس کو سخت عذاب ہو اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہو اسے عقلمند شاید
 تم سمجھتے رہو) واضح ہو کہ اللہ پاک نے چند آیات میں مسئلہ قصاص کو ذکر فرمایا جیسا
 کہ اپنے موقع پر بیان ہو گا سورۃ المائدہ اور سورۃ نبی اسرائیل میں انشاء اللہ
 تعالیٰ اور یہ آیت جامع ہے مسئلہ قصاص اور عفو و احسان رکھنے کو بحالت تخییر
 قصاص کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کو بعض مقتول قتل کیا جائے تو وارنج ہو کہ اگرچہ
 مفسرین نے اس کو مفصل نہیں لکھا مگر میں نے امام زاہدی کے اشارہ سے اس کو استنباد
 کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلہ یعنی بنی نضیر و بنی اعلیٰ تھا اور بنی فریظہ
 جو اونی تھا آپس میں لڑتے تھے تو اعلیٰ قبیلہ دسے بعض ایک حر کے دو حر قبیلہ
 ادنیٰ سے قتل کرتے تھے اور بعض ایک عبد کے ایک حر قتل کیا کرتے تھے اور
 بعض ایک عورت کے مرد کو قتل کرتے تھے تو اللہ پاک نے اس کی ممانعت
 کے واسطے یہ آیت نازل فرمائی یہ ذکر کیا ہے بعض مفسرین نے بغیر تعین نام قبیلہ کو
 پس لفظ قصاص سے مدعا مساوات ہے کہ برابر مقتول کے قتل کر دیا دینی نہ کرو
 اور آگے اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح فرمادی اور تفسیر حسینی میں ہے کہ
 امام مالکؒ اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہما نے ایسویہ سے تجویز نہیں کیا قتل
 حر کا عبد کے عوض اور امام ابو حنیفہ علیہ السلام نے حر کو عبد کے عوض قتل کرنا جائز
 رکھا ہے اس واسطے کہ ادنیٰ نزدیک اس آیت کا حکم آیت ماندہ سے منسوخ ہے

امان اللہ پاک نے فرمایا قولہ تعالیٰ اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ یَغْرِ جَانِ کَے
 عوض جان اور اسی طرح اِدْنِ و دُونِ اِماموں کی مذکر کو قتل کرنا مؤنت کی عوض
 نا جائز گردانا اور امام ابو حنیفہؒ نے جائز گردانا اور تمسک کیا اس قول نبی علیہ
 السّلام سے کہ فرمایا (اَلنَّفْسُ لَوْنٌ تَتَكَافُوْا دِمَاءَهُمْ) عجیب بات ہے کہ آیت
 اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ پر تمسک کو دُونِ سُلُوْنِ مِیْنِ کافی تھے دوسرے مسئلہ
 کے واسطے حدیث سے تمسک کرنا کیا معنی رکھتا ہے اس مسئلہ میں فقہانے خوب
 توضیحیں کی ہیں اور باہم بہت سا تخالف ہے مگر نتیجہ میں سب متحد ہیں اور میرے
 نزدیک تو یہ بات بہت صحیح ہے کہ باہری قاتم ہے کہ جو قتل کرے قتل کیا جائے مذکر
 ہو یا مؤنت حر ہو یا عبد صغیر ہو یا کبیر تندرست ہو یا بیمار اور اللہ تعالیٰ نے
 جو حر کو بوض سسر کے بیان فرمایا اسکا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ ایک حر کے عوض
 دوسرے کو قتل کرتے تھے یا عبد کے عوض مین دوسرے کو قتل کرتے تھے اِدْنِ کو
 ممانعت فرمائی ہے کہ صرف قاتل کو بوض مقتول قتل کرنا چاہئے خواہ حر ہو یا عبد
 ہو یا انثی ہو یا زردی انصاف یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے
 رد میں حجت ہے اور یہ خطاب اگرچہ مومنین کی طرف ہے مگر اس کے حکم میں مومن اور
 ذمی برابر ہیں بخلاف امام شافعی علیہ الرحمۃ کی اور اس آیت سے یہ دلیل بھی پیدا ہوئی
 کہ مومن کبار سے خارج از ایمان نہیں ہوتا کیونکہ قتل کبار سے بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے
 نا اہم لفظ مومنین سے مخاطب فرمایا ہے تو یہ حجت ہے معتزلہ کے رد میں اور جو کہ
 شافعی نے دیت اور قصاص میں تخصیص کر دینی وہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ لفظ کُتِبَ
 سے تخصیص پیدا نہیں ہوتی اور معنی آیت کی اب یوں ہوں گے کہ قصاص مثل مذکورہ

بالایا جائے اور اگر کوئی معاف کرے یعنی ولی مقتول کا قاتل کو معاف کرے اور کوئی شے اپنی مقدار مال اور سکے عوض طلب کرے تو وہ ادا کیا جائے بلا تکلف یہی معنی ہر ایک میں ہیں جو حسن تقدیر کے پس ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر عفو کریں اولیا مقتول کا قصاص قاتل سے تو ساقط ہو جائیگا اور قاتل سے قصاص بغیر کسی شے کے اور اگر صلح کریں ایک مقدار مال پر تو ساقط ہو جائیگا قصاص اور واجب رہیگا اور اسے مال اور اگر اولیائے مقتول سے بعض نے عفو کیا یا بعض نے صلح کر لی مال پر تو ساقط ہو گیا قصاص اور باقی اولیا کی واسطے اور کا حصہ ہر دیت سے اور صلح کرنے والے کو کچھ نہیں ملیگا اسلئے کہ اسنے اپنا حق ساقط کر دیا یہی بیان ہے کتب فقہین اور مذہب امام شافعی علیہ الرحمۃ یہ ہے کہ ولی نے جب عفو کیا قصاص کو کل یا بعض تو قاتل دیت ادا کرے خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے اور امام زہری نے اس پر اعتراض کیا کہ دیت لیکر قتل ترک کرنا عفو نہیں ہو سکتا اور تصریح کی کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول عفو میں موافق ہے ابن عباس اور حسن اور مجاہد اور خضاک کے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ مذہب ابو حنیفہؒ میں یہ آیت مال پر صلح کرنے پر محمول ہے فقط اور عفو مجر د اس سے مراد نہیں ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے صاحب ہدایہ نے باب صلح میں کہ صحیح ہے صلح کرنا جنایات پر عہد اور خطا میں پھر اول تو مطابق اس فرمان الہی کے فَمَنْ عَفَىٰ ذَا ذُنُوبٍ فَإِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ ذِي إِحْسَانٍ اور سنت کا بیان اس آیت سے ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكَ وَرَحْمَةٌ تَابَتْ ہوتا ہے تو اس میں تخفیر کا بیان ہوا قصاص اور عفو میں یا صلح اور مال کے یعنی اگر مال پر صلح کر لو تو یہ تم پر ہولت اور اللہ کی رحمت ہے خاص تم لوگوں کی واسطے

کیونکہ تم سے پہلے جو امتیں تھیں انہیں تجنیس کے اجازت بخشی تھا یہودیوں کی کتاب تورات میں قصاص واجب ہے فقط اور نصرانیوں کی کتاب انجیل میں عفو واجب ہے فقط اور دونوں میں مختار رہنا کہ جسکو چاہیں اختیار کریں اُمت محمدیہ کو رحمت ہوئی یہ تخفیف و رحمت ہے فَمَنْ يَعْتَدِ نَفْسًا مِنْكُمْ سے یہ منشا ہے کہ اس کے بعد اگر قاتل نے زیادتی کی اور کسی کو قتل کر ڈالا یا اولیاء مقتول نے زیادتی کی کہ علاوہ قاتل کے کسی اور کو بھی قتل کیا یا بعد دیت کے حاصل کرنے کے قصاص طلب کیا تو انکو واسطے عذاب سخت ہے دنیا و آخرت میں اور قولہ تعالیٰ وَلَكُمْ فِي الْقُصَاصِ حَيٰوةٌ سے یہ منشا ہے کہ اگر قصاص کا حکم نافذ نہ فرمایا جاتا اور قاتل کو کوئی سزا نہ ہوتی تو ظالم و جاہل آدمی بلا خوف و خطر بعد قتل مقتول کے اولیاء مقتول کو بھی قتل کر ڈالتے اور اسبطرح ایک دوسرے کو قتل کرتا حتیٰ کہ تمام دنیا میں فسادات پھیل جاتے اور تمام جانیں ضائع ہو جاتیں یا معرض ہلاک خطرہ ہلاک میں پڑ جاتیں قصاص سے ان فسادات کا امتناع و انسداد ہو گیا تو پھر یہ قصاص حیات عالم کا باعث ٹھہرا اگرچہ بالفعل قاتل کو موت ظاہری ہوئی۔ اس واسطے فرمایا کہ یا اولی الالباب یعنی عقلمند آدمی اس کے نتیجہ سے حیات کے معنی حاصل کر سکتا ہے یا یہ مطلب ہوا کہ قاتل اولیاء مقتول کو بھی قتل کر ڈالتا تو قصاص سے امن و اطمینان ہو گیا اور سکوا مام زاید فی ترجیح دیا ہے مسئلہ وصیت میں

قوله تعالى كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ مَنْ بَدَّلَ بَعْدَ سَمْعِهِ

فَأَنَّمَا ارْشَادٌ عَلَى الَّذِينَ سَيَدُّ لَوْ أَنَّ اللَّهَ سَمِعَ عَلَيْهِمْ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصِيٍّ خَفَا

اَوْ اِنَّمَا اَصْلُكُمْ يَتِيمٌ فَلَا تَكُنْ تِلْكَ اِنْ اللّٰهُ عَلِيمٌ ذُو الْحِكْمِ ترجمہ علم ہوا کہ تم پر
 جب حاضر تم میں سے کسی کو موت اگر مال چھوڑے کہ وصیت کرے مانتا ہے
 کہ اور رشتہ داروں کو دستور سے ضروری ہے پر ہنر گانگو پھر جو کوئی ادا کو بدل
 بعد اسکے کہ سن چکا تو اسکا گنہ اپنی ہر جنہوں نے بد لایشک الشمتا اور جانتا ہے
 پھر جو کوئی ڈرا دلوانے والے کی طرف داری سے یا گنہ سے پہر اون میں صلح
 کراد پوسے تو اسپر گنہ نہیں ہر تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے واضح ہو کہ زمانہ
 جاہلیت میں لوگ ہنگام موت اپنی مال کی بابت اغنیا اور امر کو وارث گردانے
 کی وصیت کر جاتے تھے اور اپنے انتہا پر عزیز و اقارب کو محروم چھوڑ جاتے
 تھے تو اللہ پاک نے اس رسم سے ہر کو ممانعت فرمائی اور پیر والدین اور اقربین
 کے لئے وصیت فرض کر دی تو اس آیت کے یہ معنی ہوئی کہ اسے مومنو تم پر فرض
 ہے کہ ہنگام موت جو تم مال چھوڑو اسکی بابت والدین اور اقربین کے لئے وصیت
 کرو نہ غیر لوگوں کے واسطے بالمعروف سے مدعا ہے کہ عدل کے ساتھ پس
 نہیں ہوگی وصیت اغنیا کی واسطے اور نہ وصیت ایک ثلث سے زیادہ ہو سکتی
 ہے یتیمین کا حق ہے کہ وصیت کرنا اول اسلام میں فرض تھا اس آیت کے دوسے
 پھر یہ آیت منسوخ ہو گئی بعض کے نزدیک آیت میراث سے اور بعض کے نزدیک
 حدیث لا وَصِيَّةَ لِّلْاَوْدِیِّ سے اور بعض نے کہا کہ اجماع سے پر باقی رہی
 وصیت ایک ثلث سے کم غیر دن کے واسطے وہ بھی یوں ہے کہ یا تو وارث لوگ
 اغنیا ہوں یا مال اسقدر ہو کہ اس سے وارث غنی ہو جائیں ورنہ ایک ثلث
 کی بھی وصیت کرنا بہتر ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ

آپ کے غلام نے جسکے پاس سات سو درہم تھے وصیت کرنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا اور اسے طرح کی روایت ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ایک آدمی نے وصیت کرنا چاہا تو آپ نے دریافت کیا کہ تیرے پاس کس قدر مال ہے اس نے جواب دیا کہ تین ہزار پس پوچھا کہ کس قدر عیال ہیں کہا کہ چار تو فرمایا کہ اللہ تمہارے لئے فرمایا ہے **اِنْ تَرَكَ خَيْرًا لِّغَيْرِ** اگر مال زیادہ چھوڑ دو تو وصیت کرو اور یہ مال تو بہت قلیل ہے اسکو تو اپنے عیال کی واسطے ترک چھوڑا وراثت کی وصیت کرنا اس حدیث سے ثابت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ثلث وصیت کیلئے بہت ہے اس سے زیادہ نہیں چاہئے اور نہ وارث کو اور اسکا مفصل حال کتب فقہ میں دیکھو اور امام زہد نے کہا کہ یہ اس حالت میں ہے کہ وارث والدین غلام ہوں یا کتا بی ہوں یا کوئی اقرب زیادہ محبوب ہو دیگر وراثت سے تو جائز ہے وصیت اور آیت غیر منسوخ ہے اور (کتب) سے مراد استحباب ہے نہ وجوب جیسا کہ لکھا ہے اور مسکرح صاحب مدارک نے اور کہا کہ یہ منسوخ ہے اسوجہ سے کہ یہ نازل ہوئی تھی اون لوگوں کے حق میں جنکا کوئی وارث نہ تھا اسلئے کہ زمانہ آغاز اسلام میں اگر کوئی مسلمان ہوتا اور اس کے والدین و اقارب مسلمان نہ ہوتے تو وارث قطع ہو جاتا اور وصیت درست ہوتی اسوجہ سے کہ کتب کی معنی فرض کے نہیں اور اسی کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے اور امام فخر الاسلام بزودی نے اس آیت کے فتح ہونے پر سخت انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ آیت میراث اس آیت کے مبین ہے نہ ناسخ اسکی حقیقت یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے والدین اور اقربین کے واسطے وصیت فرض کر دی پھر اس لحاظ سے کہ پھر

انسان نفع و نقصان کا امتیاز بخوبی نہیں کر سکتا اور دوست و دشمن کو کیا سنتی نہیں
 پہچان سکتا سب ادا دوست کیواسے قلیل اور دشمن کیواسے کثیر وصیت کر جائے
 جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قولہ تعالیٰ لَا تَدْرُؤْنَ أَقِيمُوا قُرْبَانَ لَكُمْ فَتَقْتُلُوا
 یعنی تم نہیں پہچان سکتے کہ کون زیادہ نفع بخش ہو تو اسکو آیت میراث سے منہج
 و مفصل کر دیا اور ہر ایک کے سہام مقرر فرما دئے اور وصی کے رائی پر نہیں چھوڑا
 تو آیت میراث آیت فرضیت وصیت کا بیان اور شرح ہو گئی اور اس کے بعد جو اللہ
 تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَن بَعْدَ وَصِّيَةٍ بَوَّضَ لَهَا وَدِينَ پس یہ دوسری وصیت ہے
 جو ایک ثلث سے کم میں ہو سکتی ہے جیسا کہ فقہ میں مندرج ہے نہ وہی سابق
 وصیت دوبارہ ذکر کی گئی میں کہتا ہوں کہ یہ تو جہہ بہت اچھی اور اسکو صلہ صاحب
 کثافت اور بیضادی نے بھی ذکر کیا ہے اور کثافت نے دوسری وجہ بھی لکھی ہے
 کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ وارث جمع ہوتے ہیں درمیان وصیت اور میراث
 کے ان دونوں آیتوں کے درمیان قولہ تعالیٰ قَضَیْ بَدَلًا لِّذَٰلِكَ مِمَّا سَمِعْتُمْ
 ہے جو مراد ہے کہ جو کوئی شخص تبدیل کرے وصیت کو بعد سن لینے کو اس طرح کہ یا تو
 موصیٰ لاکو کچھ نہ دے یا جس قدر وصیت کی تھی اس سے کم دے تو اس کا گناہ
 اپنی ہی جو تبدیل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سمیع ہے یعنی وصی اور موصیٰ لہ وغیرہ سب
 کی باتیں سنتا ہے اور علیم ہے یعنی انکی نصیحت اور ارادے سب کا اسکو علم ہے
 جب یہ آیت نازل ہوئی تو اوصیاء لوگ ڈر سے تبدیل اور تفسیر سے مطلقاً و غراب
 یاد کرنے لگے وصیت کو جو موصیٰ نے کی تھی اور خوف کھاتے تھے پھول جانی
 سے بوجہ اس وعید الہی کے تو نازل ہوئی یہ آیت مَن خَافَ مِمَّنْ مَّوْصِي

یعنی جو لوگ خوف کھائیں وصیت میں کمی بیشی ہو جانے کا یا حق سوا حق
کی طرف یا بے ہو جائیگا خواہ ان خوف کھانے والوں میں وارث ہو یا وصی ہو یا
امام ہو یا فاسی ہو تو صلح کریں درمیان موصی ہمسہم اور دیگر وارثوں کو موافق طریقہ
شرعی کے تو اس میں اسپر کوئی گناہ نہیں اس واسطے کہ گواہین بھی تبدیل کا احتمال
ہی اگر تبدیل ہل کی ہر حق کے ساتھ یعنی امر مشروع کے ساتھ نہ تبدیل حق کی ہل
کے ساتھ اور کلام صاحب تفسیر حسینی کا دلالت کرتا ہی کہ جنف کا مدعا عدول ہے
قریب لوگوں سے اور ایک جانب میل کرتا ہی اور اٹھ سے مراد ایک ثلث سے
زیادہ وصیت کرنا ہی اور صاحب ہدایہ نے باب الوصایا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث المجنف فی الوصیۃ من اکبر الکبائر بیان کرتے ہوئے کہا کہ جنف
سے مدعا ایک ثلث سے زیادہ وصیت کرنا ہی یا وارث کو وصیت کرنا میں کہتا
ہوں کہ ان دونوں میں تو تخالف ہی کیونکہ معنی اول تو زیادہ مناسب معلوم ہوتا
ہے اسوجہ سے کہ اقربین کے لئے وصیت فرض ہوئی تو اس سے جو زیادتی
کری وہ جنف ہو گا یعنی عدول کرنا ہو گا وصیت سے اور دوسرے معنی کہ وارث
کو وصیت کرنا یہ قرین قیاس نہیں اور ایک حدیث میں جو دو روایتوں سے ثابت
ہی بجای جنف یعنی جیم منقوط کے حای مہملہ اور بجائے نون کے یاے مشنات
تختا نہ آیا ہی یعنی لفظ حیف اور دوسرے روایت میں جنف جیم منقوط اور
نون سے اور میری رائے میں لفظ جنف زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہی شاید صاحب
نے اسپر غور نہیں کیا اور کہا گیا ہی کہ آیت بحالت زندگی موصی صادق آتی ہے
یعنی موصی اور موصی لہ دونوں موجود ہوں اور موصی خلاف شرع وصیت کرنا

چاہتا ہوا اور کوئی اسکو منع نہ کرے اور صلاح نیک دے تو اوپر کوئی گناہ نہیں
 لینے موصی پر تبدیل وصیت کا کوئی گناہ نہیں اگرچہ پہلے اس فی وصیت کی بابت
 کہہ دیا ہو اور یہی سنی میں اِنَّا لِلّٰہِ عَقُوْرٌ حَقِیْرٌ یعنی اس کے واسطے اللہ تعالیٰ
 عفو اور احکم یوں بھی اس کے معنی ہو سکتے ہیں کہ مومن کو یہ تبدیل کرنا جائز ہے تو
 تبدیل گناہ نہیں ٹھہرا کیا ہوا اور کاسعفو و مغفور ہو یعنی اس کے واسطے اللہ تعالیٰ
 عفو کرے خواہ اس کی پروا نہ کر کے حق کے موافق وصیت کرنا چاہے **وَاللّٰہُ
 اَعْلَمُ بِالصّٰوَابِ** مسئلہ روزہ کی کیفیت اور اس کے احکام اور حُدُود
**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصَّیَّامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی
 الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْرَاتٍ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرْیَضًا
 اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اٰخَرُوْا عَلٰی الَّذِیْنَ یَطْبِقُوْنَہٗ فَلَیْسَ بِکُمْ جُنَاحٌ
 نَّظُوْعَ خَیْرًا فَوَجِّہْہٗ اِنْ تَصَوَّمُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ترجمہ اے ایمان
 والو! حکم ہوا تم پر روزہ کا جیسے حکم تھا تم سے اگلوں پر شاید تم پر بھی لگایا ہو جو یاد دہن
 میں سنتی کے پر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں تو گنتی چاہئے اور دنوں سے
 اور جن کو طاقت ہے تو بدل لا چاہئے ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی شوق سے کرے
 نیکی تو اسکو بہتر ہے اور اگر روزہ رکھو تمھارا بھلا ہی اگر تم سمجھ رکھتے ہو واضح
 ہو کہ اس آیت میں روزہ کے فرض ہونے اور بریص و مسافر کی بابت اور
 شیخ فانی کے مابت احکام کا ذکر ہے پس فرضیت روزہ کُتِبَ عَلَیْکُمْ سے ظاہر
 ہے اور صیام سے مراد روزہ ہائے رمضان ہیں جیسا کہ صاحب ہدایہ نے
 استدلال کیا۔ اور گزشتہ قوس کے روزہ سے تشبہ بعض بوجہ فرضیت ہے

میں نے روزہ کوئی نئی بات نہیں ہو باکہ پچھلی امتوں پر بھی روزہ فرض کیا گیا تھا
 نہ اسکی تشبیہ بوجہ مطابقت احکام کے ہو کیونکہ دوسری امتوں پر عسلا وہ
 رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مثل روزہ ایام بین یا صوم
 عاشوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے واسطے اور احکام میں مشابہت ہو
 جیسے کہ بعض قوموں کو حکم تھا کہ بعد عشاء کے دوسرے روز مغرب تک روزہ
 رکھیں اور حکم دیا گیا ہو صبح سے مغرب تک پس تشبیہ بوجہ مشابہت ذات
 کے ہے یہ سب وصف کے اور اسبیطح کی تشبیہ کلام خدا و رسول میں اکثر بیان
 کی گئی ہے جیسے اللہ صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم کما صلیت علی
 ابراہیم وعلی آل ابراہیم دعا میں و درود میں کہتے ہیں اور مانند قول الہی کے
 قوله تعالیٰ فاذا کموا اللہ کذا کذا اباء کذا اور قوله تعالیٰ ان مثل عیسیٰ
 عند اللہ مکمل آدم اور اسبیطح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے کئی جگہ فرمایا
 یہب مثالیں ہوا اسے بیان کی گئی ہیں کہ معلوم ہو جائے کہ تشبیہ کے واسطے مطابقت
 احکام کی ضرورت نہیں صرف ذات میں مشابہ ہونا کافی ہو اور ایام معدودات سے مراد
 ایام ماہ رمضان ہیں جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قوله تعالیٰ شہرہ رمضان الذی انزل
 فیہ القرآن اور قوله تعالیٰ احل لکم لیلۃ الصیام لہفت یہ آیت ہر سنت کی نسخ ہر آیت کی اور
 اگر ایام معدودات سے مراد صوم عاشور و ایام بیض ہوں جیسا کہ کتاب سے نقل کیا تو انکی روزی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہو کر تھے جب کہ آپ نے ہجرت فرمائی کتنی پھر روزہ ماہ
 رمضان سے منوع ہو گئے یا ایام معدودات سے یہ مراد ہو کہ نصاریٰ نے بحالی تیس
 روزہ نیکے پچاس کر لئے اور کبھی گھڑا دیئے تو اللہ پاک نے فرمایا کہ گنتی کے روزہ یعنی حقیقتہً رماہ

رمضان کے دن ہوں ان میں کم و بیش کر نیکو تکو اختیار نہیں یہہ حیا صبر و
 انعام تفاسیر کا اسکو مفسرین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اب اگر اس سے زیادہ تفصیل
 کی ضرورت ہو تو امام زادہ کے بیان کی نقل کیجاتی ہو وہ کہتے ہیں کہ پہلے روزہ فرض
 از روئے سنت کے یوم عاشورا تھا پھر اسکی فرضیت یا مہینہ کے تین روزوں کو
 نسخ ہو گئی جو ہر ماہ میں تین یوم رکھے جاتے تھے پھر اون کی فرضیت بھی ماہ رمضان
 کے روزوں کے نسخ ہو گئی مگر باختیار صائم کے یعنی جی چاہے تو روزے رکھے
 اور نہ چاہے تو نہ رکھے اور بعض ہر روزے کے نصف صاع گندم سکین کر
 دیدے جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قولہ تعالیٰ وَعَلَى الَّذِينَ يَصِطُّونَ
 یعنی جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور روزہ نہیں رکھتے اون کو
 چاہئے کہ فدیہ دین طعام سکین کا پھر حکم ہوا کہ روزہ رکھنا ذریعہ دینے سے بہتر
 ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قولہ تعالیٰ (أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ) پھر یہ
 اختیار بھی سوخت کر دیا گیا اور فرض گردانا گیا روزہ رات اور دن کا یعنی مغرب
 کو افطار کیا جائے اور عشاء تک جو چاہیں کھائیں بعد عشاء پھر روزہ شروع
 ہو جائے دوسرے روز کے مغرب تک یعنی عشاء کے بعد سے کھانا پینا مباح
 سب ترک اور حرام ہو گئے پھر شب کا روزہ منسوخ ہو گیا اس حکم الہی سے قولہ
 تعالیٰ عَلَيْهِمُ اللَّهُ أَنْ تَصُومُوا نَفْسُكُمْ قَتَابٌ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ
 (اللیل) تو فرض رہ گیا روزہ طلوع فجر سے مغرب تک اس بیان سے یہ مراد ہے
 کہ ماہ رمضان کے روزے ایک سخت فرض نہیں ہوئے بلکہ درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے
 سہولت و آسانی کی غرض سے فرض قرار پائے تاکہ رفتہ رفتہ بندوں کو عبادت

کی عادت ہو جائے لیکن اہم زامہ کا یہ قول ہے کہ ابتداء اسلام میں صوم
 عاشورا فرض تھا پھر اسکی فرضیت منسوخ ہو گئی صوم ایام بیس سے پھر اسکی
 فرضیت منسوخ ہو گئی صوم ماہ رمضان سے مخالف ہے قول صاحب کثافات
 سے کہو کہ وہ کہتے ہیں کہ جبکہ صوم عاشورا منسوخ ہو گیا ایام بیس کے روزوں کو صحیح
 نہیں ہو سکتا اور کا منسوخ ہونا روزائے ماہ رمضان سے لیکن اب واسطہ اور بعض
 نے ذکر کیا کہ صوم عاشورا تو حضرت موسیٰ پر فرض تھا اور ایام بیس کے روزے
 حضرت آدم علیہ السلام پر ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے شیخ اول کا ثانی سے یہی حضرت
 موسیٰ علیہ السلام کا فرض حضرت آدم کے فرض سے منسوخ نہیں ہو سکتا ناسخ
 بعد کو ہوتا ہے منسوخ سے گریہ اس صورت میں ہو گا جبکہ شرائع قبل ہمیں فرض
 ہوں ورنہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا اب سافر و مریض کا بیان کیا جاتا ہے کہ اشتیالی
 نے فرمایا کہ جو تم میں مریض ہوں یا سفر میں ہوں تو روزہ افطار کر لین یعنی اون ایام
 میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور روزوں کے بدلے اور دنوں میں علاؤ
 ماہ رمضان کے روزہ رکھیں گویا یہ محل فضا ہوا لیکن مخصوص کیا اس نص سے عید
 الفطر و عید اضحیٰ اور ایام تشریق کو جیسے کہ فرمایا آنحضرت نے (الا لا تضوموا
 فی هذه الايام فانما ایام اکل و شرب و جماع) ترجمہ مت روزہ رکھو ان ایام
 میں یہ ایام کہانے پینے اور جسماع کے ہیں پس اگر یہ اعتراض کیا جائے
 کہ عام سے جب خاص کیا جائے نطفی طور پر تو ممکن ہے کہ قضاء روزہ فرض ہو بوجہ
 دخول و شرب کے تو یہ جواب ہے کہ یہ تقدیر ہی تحقیق اور نص مطلق بعد تفسیر مجنبہ قائم ہو سکتی
 ہو قطعاً نہ کہ نطفی ہو جاتی ہے اسوجہ سے فرضیت قضاء میں کچھ ہرج واقع۔

نہیں ہوتا جائز ہے قضا اور مسنان و صلاً ہو یا فصلاً اور بعض نے کہا کہ فصلاً
 جائز نہیں اور ہمارے نزدیک یہ خبر و حدیث اس سے کتب پر زیادتی کرنا
 زیبا نہیں اسکا مفصل حال کتب فقہ اور اصول میں ہے اور مریش سے مراد یہ ہے
 کہ جس مریش کو روزہ سے خوف ہو زیادتی مرض کا مثل امراض در د چشم و بخار
 وغیرہ کے اوں کو روزہ افطار کرنا حائز ہے لیکن اگر مریش ہو ایسا کہ
 روزہ سے اوں کو کچھ خوف زیادتی مرض کا ہو یا کھانا اوں کو اور موجب
 مرض ٹھہرے جیسے امراض امثالہ میں تو اوں کو روزہ کے افطار کی
 اجازت نہیں ہمارے نزدیک اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک کوئی
 مرض کیونکہ اس اجازت سے فائدہ اوٹھا سکتا ہے اور امام شافعی
 علیہ الرحمہ کے نزدیک مریش بجا لت خوف ہلاکت روزہ افطار کر سکتا ہے
 دوسری صورت میں نہیں کر سکتا جیسا کہ کثافت سے ظاہر ہے
 اور دلیل ہر ایک کی آگے بیان ہوگی اور مراد مسافر سے یہ ہے
 کہ جس نے قصد کیا تین شب و روز سفر کرنے کا متوسط رفتار
 سے اور ترک کیا اپنے مقام کی آبادی کو اور بعض نے اعتبار کیا میلون
 اور بعضوں نے مقرر کیا پتتیا لیس میل اور بعضوں نے چون میل اور بعضوں نے
 تربیعہ میل لیکن ان سب کا متوسط درجہ نکال لینا چاہیے کیونکہ خیر الامور اوسطہا
 اس معنوں سے علامہ شہاب الدین نے اپنے بعض شاگردین اتفاق کیا ہے
 اگرچہ بوجہ مشقت مسافر کو سفر میں اجازت افطار صوم ہی لیکن اگر مشقت نہ ہو اور
 علت اجازت معدوم ہو جائے تو بھی اجازت باقی رہتی ہے یہاں تک کہ باغی اور

رہن کو کسی اجازت ہو اگرچہ اونکا سفر براو بجاوت اور موجب عیب یا ہوا و رہی
 حال فتنہ نماز میں ہو اور چونکہ سفر امر اختیار ہی ہو اور مرض امر غیر اختیاری اسلئے اگر مہتمم
 افطار کر کے صوم کو پھر سفر کرے تو اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا بخلاف مریض کے کہ
 اگر اسے افطار صوم کیا بجاالت صحت اور پھر بجا رہو گیا اوی روز تو ساقط ہو حسب اینکا
 اس سے کفارہ اب مسلمان شیخ فانی اسطرح ہر کہ قولہ تعالیٰ وَفِيَ الَّذِيْنَ يُبَيِّتُوْنَہُ يَذَّابُوْهُ
 طَعَامٌ مِّسْكِيْنٍ محمل ہوتا ہو دو معنی کو ایک یہ کہ جو طاقت رکھتے ہیں روزے کی اور مردہ
 نہیں رکھتے وہ مذہب دین طعام مسکین کا یہ ابتداء اسلام میں تھا کہ اوپر روزے فرض
 ہوئے تھے اور وہ اس کے عادی نہ تھے تو ان کو حضرت دی گئی کہ اگر روزہ نہ رکھو تو فدیہ
 دو پھر حکم منوع ہو گیا اس فرمان الہی سے قولہ تعالیٰ ثُمَّ شَهِدْنَا لَكُمْ فَتْنَةً فَلَیْسَ لَہُمْ
 اس سے یہ دعا نکلا کہ جو لوگ طاقت رکھتے ہیں روزے کی اور قصد ترک کریں روزے
 کو تو اوپر کفارہ اور قضا واجب ہو نہ صرف فدیہ دوسرے معنی یہ کہ لا محذوف مانا جائے
 جیسا کہ اکثر کلام الشہین واقع ہوا ہر مثل قولہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیْسَ لَہُمْ
 یہ معنی ہونگے کہ جو روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو وہ فدیہ دین اور حفص نے اس بطرح
 کہا ہر توبہ آیت شیخ فانی یعنی بہت بدھامرد یا عورت اور حاملہ عورتوں اور دودھ پلانوالی
 عورتوں کو شامل ہی نزدیک امام شافعی علیہ الرحمہ کے اور تخریج کی اسکی صاحب مدارک
 اور امام زادہ اور اکثر فقہائے اہل اصول نے اور اجماع ہو گیا کہ محذوف
 ماننے پر اس سے زیادہ بحث کی ضرورت نہیں اب فدیہ یہ ہر کہ ہر روزے کے
 بدلے مسکین کو نصف صاع گندم یا آرد گندم دیا جائے یا ایک صاع
 چھوٹے خشک یا جو اہل عراق کے نزدیک فدیہ کے واسطے اور مدہ اہل حجاز کے

نزدیک جو چوتھا لی صاع کا ہوتا ہے تو یہ مقدار واجب ہے پس جو شخص اس سے
 زیادہ صدقہ دے تو نیکی ہے اسکے واسطے اور بعض نے نفل مسکین کی جگہ مسکین
 جمع کے ساتھ پڑھا ہے تو اس کے معنی بھی یہی نفل آئینکے کہ جو جب جمع کو جمع پر قسم
 کریں تو دادر برابر ہو جائیگی اور اس کے یعنی جو روزہ نہ رکھے وہ مساکین کو کھلاوے
 یعنی جو روزہ نہ رکھے وہ مساکین کو کھلاوے یعنی فدیہ دیدے اور اس فدیہ دینے کو
 روزہ سے کہے بدلے علم اصول میں (قضاء بمثل غیر معقول) کہتے ہیں اس لئے کہ
 عقلاً کوئی مماثلت روزے اور فدیہ میں نہیں پائی جاتی لیکن جب کہ نفس سے
 ثابت ہو گیا تو قیاس کو دخل رہا پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب نفس خلاف قیاس
 ہو تو اس کے مورد پر اقتضار کیا جاتا ہے تو کیونکر تم نے واجب کر دیا فدیہ بلا نفس کے
 نماز کے فوت پر جیسے کہ کوئی شخص مر جائے اور اس پر نماز قضاء ہو جائے تو تم حکم
 دیتے ہو فدیہ کا ہر نماز کے بدلے مثل فدیہ روزے کے اور کیونکر حکم دیتے ہو
 تم فدیہ روزے کا اور اس پر کہ جو شخص مر جائے اور اس پر قضاء روزہ واجب ہو جائے
 علاوہ شیخ فانی کے اور وہ وصیت کر جائے وارث کو تم فدیہ دلاتے ہو روزہ
 کا باوجودیکہ یہ حکم ہے شیخ فانی کی واسطے جواب یہ ہو کہ اعتراض اول تو یوں رفع
 ہو گیا کہ اگر اصل نے کہا ہے کہ نفس محتمل ہوتی ہے علت کو اور نماز ہی نظیر روزہ
 کی بلکہ اہم زیادہ اس سے پس حکم دیتے ہیں ہم فدیہ کا احتیاطاً اور امید کہ تو
 میں قبولیت و فضل الہی کی اور اس پر حکم قطعی کا نہیں دیتے تو وہ ایسا ہے اگر
 اس سے زیادہ صدقہ دیا جائے اور بہتر ہوگا جیسے کہ روزے کا فدیہ اگر
 زیادہ دیا جائے تو خیر ہوگا قول الہی سے اور دوسرا اعتراض روزے کی

بابت یون جاتا رہتا ہے کہ یہ تیس اس سے بہن ہے بلکہ اس سے حکم دیا گیا ہے
جیسا کہ اکثر جگہ ذکر ہو چکا ہے قولہ تعالیٰ اَنْ تَصُومُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ خُطَاباً طَاعَتِ
والوں کے واسطے یعنی تمہارا روزہ رکھنا بہتر ہے اسے طاعت والوں پر دینے
سے اور زیادتی خیر کی وہ مسوخ ہے قولہ تعالیٰ مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ
سے جیسا کہ گذر بیان زاہدی کا روزے سے عاجز ہو وہ شیخ فانی ہے یا وہ
تمام لوگ جنکو رخصت افطار دی گئی ہے یعنی شیخ فانی اور مریمین اور مسافر اور
سب کو کہ بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم جانتے فضیلت روزے کی اور وہ
ہوتے اسکے ثواب سے تو یہاں سے ساف ظاہر ہے کہ بہتر مریمین اور مسافر
کو روزہ ہے اور افطار کی اجازت ہے تو تحمل کرنا بہتر ہے نسبت جو اور
رخصت کے تو یہ حجت ہوگی امام شافعی پر جیسا کہ ابنون نے اس باب میں کہا
ہے آئندہ اسکی تفصیل اور ایسی پھر ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے بعد اس آیت کے

قَوْلُهُ تَعَالَى شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُكَايَاتٍ مِّنَ

الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ مَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُواْ الْعِلْمَ

وَلِتُكْبِرُواْ اللَّهَ عَلَى مَا هَدَىٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن
ایام معدودات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ ماہ رمضان کے ایام ہیں اور انکی
ابتداویت ہلال سے ہے اور اس طرح انکی انتہا بھی رویت ہے اور خواہ
وہ بہینہ ۲۹ یوم کا ہو یا ۳۰ یوم کا مگر لفظ پورے بہینہ کا صادق آجاوے
انزل فیہ القرآن کا مدعا یہ ہے کہ رمضان شریف کے بہینہ میں قرآن نازل

ہوا یعنی باتو آسمان سے پہلی مرتبہ نزول قرآن مجید کا رمضان شریف میں ہوا یا لوح محفوظ سے قرآن مجید آسمان دنیا پر رمضان شریف میں نازل ہو گیا پھر آیت اور سورۃ سورۃ ہو کر بحسب ضرورت و موافق مصلحت نازل ہوتا گیا اور بعض نے اسطرح بھی منہ کئے ہیں کہ ایام معدودات واسطے صیام کے ایام ماہ رمضان ہیں جنکی بابت قرآن میں حکم نازل ہوا ہے جب یہ منہ مسلم ہوئے کہ رمضان شریف میں قرآن مجید نازل ہوا خواہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر خواہ آسمان سے ابتداء سے نزول دینا پر اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ تو ثابت ہو گیا کہ لیلۃ القدر رمضان کے مہینے میں ہی ہو دوسرے مہینے میں نہیں پھر اس امر کا متنب کرنا کہ کونسی تاریخ ہے تاریخہ ماہ رمضان سے تو اس کے واسطے دلیل ہونا چاہئے چنانچہ ہر صاحب علم و اجتہاد نے اپنی اپنی معینہ تاریخ کو مختلف دلائل سے مضبوط کیا ہے مگر صحیح ترین یہی کہ ستائیسویں رمضان کو ہوتی ہے چنانچہ امام ابو اسحاق رازی نے بہت عمدہ طریقہ سے ثابت کیا کہ لفظ لیلۃ القدر کے نو حروف ہیں اور قرآن مجید کی سورۃ قدر میں تین مرتبہ مکرر یہ لفظ آیا تو تین کو نو سے ضرب کیا نتیجہ ستائیس پیدا ہوئے اور اسباب میں مختلف احادیث و روایات ہیں اور ان میں باہمی بہت سے اختلافات اور بہت سے اقوال مشایخ ہیں جسکو میں نے اپنی کتاب سے (آداب احمدیہ فی اوراد الصوفیہ) میں مفصل ذکر کیا ہے وَهٰذِهِ النَّاسُ وَبَيَّنَّتْ حَالُہُمْ یعنی قرآن شریف درمیان حالیہ ہدایت کنند اور نشان حقیقت دین کو ظاہر کرنے والا ہے اور لفظ فرقان کے منہ فرق

کہ تموا لا در میان حق و باطل کے (اور) مَنْ شَهِدَ حُدُودَ اللَّهِ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ
 تَوْبَةُ اللَّهِ لِيَعْلَمَ أَنَّهُ تَوْبَةُ اللَّهِ لِيَعْلَمَ أَنَّهُ تَوْبَةُ اللَّهِ لِيَعْلَمَ أَنَّهُ تَوْبَةُ اللَّهِ
 کہ روزہ رکھو افطار نہ کرے یہ صاحبِ عارک وغیرہ کی رائی ہو اور دوسرے معنی
 یہ ہیں کہ جو کوئی یاد دے تم میں سے ماہ رمضان کو تو چاہئے روزہ رکھو تو یہ معنی عام
 ہیں مریض و مسافر و شیخ فانی وغیرہ سب کو مگر بعد اسکے تخصیص ہو اس واسطے اس کا
 مقتضا ہو گیا مطلب یہ نکلا کہ جو شخص متیم اور صحیح اور روزہ کے رکھنے کی طاقت رکھو
 والا ہے وہ روزے رکھے اور باقی کے بابتہ احکام دوسرے ہیں مثل فدیہ و قضاء
 وغیرہ کے یہی رائے ہوا اہل اصول کی اور یہی ذکر لکھا ہے شرح المنارین (فی بحث
 الرخصة والغریبہ) اور ذکر کیا ہے کافی میں اس طرح کہ اسمین بہت ہی تفصیل
 ہے اسمین سے یہ ہے کہ سبب واجب ہونے صوم کا شہود شہر یعنی رمضان میں
 موجود ہونا ہے تو مریض و مسافر بھی موجود ہوتے ہیں تو ان پر بھی فرض ہوا گو بعد از
 کے ہو یعنی بیمار کو بعد صحت اور مسافر کو بعد اقامت اسکا ادا کرنا واجب ہے اور
 اسی پر تمسک کیا امام فخر الاسلام بزدی نے بحث واجب میں کہ قضاء واجب ہے
 اس حکم سے جس حکم سے ادا واجب ہو اور یہی ہمارے نزدیک صحیح تر اور صحیحتر
 کیونکہ سبب وجوب روزہ کا موجودگی ہے ماہ صیام میں اور موجودگی سے مریض
 و مسافر بھی خالی نہیں اور اگر قضاء روزہ کی دوسرے سبب سے واجب ہوتی تو
 احتیاج ہوتی دوسرے رمضان کی موجودگی کی پس اگر یہ کہا جائے کہ وجوب
 قضا جب اس سبب سے ہے تو اس آیت کی کیا ضرورت ہو اسکا یہ جواب کہ بغرض تنبیہ
 کے ہے کہ یہ فیرضہ باوجود تراویح و تفریق کے اس طرح فرض باقی ہے تاخیر سے

ساقط نہیں ہو گیا اسکی زیادہ تحقیق کتب اصول میں ہے پھر اختلاف مواعیل کا کہ
 شہور رمضان کے واسطے صرت ایام کی شرط ہے یا ایام و لیالی کی تو مسلم الامیر
 نے کہا کہ مطلق شہور و شہر رمضان سے روز و شب کی بحالت مجوسی ضرورت ہو
 ایسا واسطے واجب ہے قضا راوس تندرست پر جو شب کو ماہ صیام میں تندرست
 تھا پھر مجنون ہو گیا اور بعد گزرنے ماہ رمضان کے پھر تندرست ہو گیا تو یہ شخص
 ادا کی نیت کرے کیونکہ اوسنے ایک جزبہ قرضیت صیام کا بحالت تندرستی
 پایا تھا اور بعض نے کہا کہ شب کا حصہ اقل وجہ وجوب صیام ہے مگر اسپر یہ اعتراض
 ہوا اگر اقل حصہ شب وجہ قرار دیا جائے تو اسکے بعد ہی وجوب و درہ ثابت ہو جا
 حال آنکہ ایسا نہیں بلکہ آخری حصہ شب وجہ وجوب صیام ہوتا ہو کیونکہ اوس کے
 بعد ہی روزہ شروع ہو جاتا ہو اس میں ہر ایک عالم نے اپنی رائے قائم کی ہے اور اسپر
 مختلف اعتراضات ہوئیں اور انکے متعدد جواب دئے گئے میں انکے منقول حالات
 معلوم کر نیکی کتب اصول وفقہ دیکھنا چاہئے اور معنی قولہ فعالم بربہ اللہ بکہ
 ائیسر کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے آسانی کا ارادہ کرتا ہے اسواسطے
 تم کو افطار کی یعنی مرض و سفر وغیرہ میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیدی ہے اور
 وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ التَّحْمِلَ سے یہ مطلب ہے کہ تم پر سختی کا ارادہ نہیں کرتا کہ تم کو سفر
 و مرض میں بھی روزہ پر مجبور کرے پھر یہ آئینہ حجت ہے اوس شخص پر جس نے سفر
 و مرض میں روزہ نہ رکھنا واجب گردانا بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر سفر و مرض میں روزہ
 رکھے تو بعد اقامت و صحت کے دوبارہ ادا کرے کیونکہ وہ روزے اوسکے نہیں
 ہوئے جیسا کہ لکھا اسکو صاحب رکن گریہ خیال بطل ہو کیونکہ اللہ پاک نے صرف اجازت

نہ کہنے کی دی ہو بوجہ آسانی کے تو ہمارے نزدیک رکھنا بہتر ہے اور نہ رکھنے کی
 اجازت ہو بخلاف شافعی کے کہ ان کے نزدیک رخصت بہتر ہے غریب سے اور ہدایہ
 میں مسافر کے واسطے غریب اور مریض کے واسطے رخصت کو بہتر جانا ہو۔ سب خوف
 ہلاکت کے اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کہ وہ مسافر کو واسطے صوم کو مناسب نہیں خیال
 کرتے وہ ایک تزیید دلیل لاتے ہیں کہ اللہ پاک نے (يُؤَيِّدُ بَكَ الْكَثِيرَ) فرمایا پس اللہ
 تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف کیوں کر مناسب سمجھا جائے دوسرے موافق حدیث آنحضرت
 صلعم کے کہ آپ نے فرمایا اون لوگوں کے واسطے جو سفر کے کامدینہ سے کر رہے
 تھے اور روزہ رکھے ہوئے تھے کہ اُولَئِكَ الْعَصَاةُ اُولَئِكَ الْعَصَاةُ یعنی وہ لوگ
 خطا کار ہیں یا گنہگار ہیں اور ہم دلیل لاتے ہیں کہ یہ رخصت دوسری قسم ہو نوع
 حقیقت سے غریبیت یعنی بہتر وہی روزہ ہے موافق قول الہی کے قوله تَعْلٰی
 وَاَنْ تَصُومُوا كَجُمْرٍ اَوْ كَفِهْرٍ یعنی اگر روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے واسطے اور یا
 سنی (ریسر) کے بابت سوا افطار میں بھی صحیح مسانی ہو بمقابلہ مشقت روزہ کے اور
 روزہ رکھنے میں آسانی ہو اس اعتبار سے کہ بوجہ موافقت تمام اہل اسلام کے اسوقت
 چندان گراں نہیں جسقدر کہ بعد میں صرف تمہارا روزہ رکھنا گراں ہوتا ہے تو دونوں
 طریقوں سے رکھنا افطار کرنے سے زیادہ موجب آسانی ہے اور آنحضرت کا فرمانا کہ
 اُولَئِكَ الْعَصَاةُ یعنی وہ لوگ گنہگار ہیں اسوجہ سے تھا کہ اعلائی کلمۃ اللہ میں
 واقع ہوتا تھا اور جہاد میں لوگ سستی کرتے تھے تو وہ حکم خاص تھا انکی بابت نہ عام
 اہل اسلام کو اور امام زاہد نے اس مقام پر بہت کلام طویل لکھا ہے اسکا حاصل
 ہے کہ صفات الاعمال ہمارے نزدیک قدیم ہیں مثل صفات الذات کے اور متغیر

اور اشعریہ کے نزدیک صفات الافعال حادث ہیں بخلاف صفات الذات کے
پس اشعریہ کے نزدیک سر در شے جسی نفسی سے نقص واقع ہو وہ صفات الذات ہیں
اور اگر اسکی نفسی سے کوئی نقص واقع نہ ہو تو وہ صفت فعل کی اور متزلزلہ نزدیک جو مثبت
و منفی ہوں سکے وہ صفت فعل ہی در جو منفی ہوں سکے وہ صفت ذات ہے پس ارادہ اگر
نزدیک صفت فعل ہے کیونکہ مثبت و منفی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (یسرید
یکم الیستر) اور لا یزیدیکم العسر یعنی ارادہ کرتا ہے آسانی کا اور ارادہ نہیں
کرتا دشواری کا یعنی ارادہ کا عدم اور وجود ہے تو ارادہ صفت فعل ہے اور ہمارے
نزدیک ہر شے منفی و مثبت ہوتی ہے ارادہ سے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کسی نفسی نہیں ہوتی
تو ارادہ میں نفسی عسر کی ہے یعنی دشواری کی نہ نفسی ارادہ کی اسلئے ارادہ صفت قائم
ہے نہ حادث اور معنی قولہ تعالیٰ اَلتَّكْلُفُ الْاِحْتِیَاجُ کے آخر آیت تک یہ ہیں کہ ارادہ
کرتا ہے اللہ پاک کہ تم پوری کرو اس مدت کو جو رویت ہلال ماہ رمضان سے شروع
ہو کر رویت ہلال ماہ شوال تک ختم ہوتی ہے یہ کامل مدت ہے یہ معنی آیت کے
اس صورت میں ہونگے جبکہ یہ خطاب قرار دیا جائے اُن لوگوں کی طرف
جو روزہ رکھنے کے تباہ ہیں اور جو خطاب مانا جائے ان لوگوں کی طرف جو
روزہ رکھنے سے مجبور ہیں تو آیت کے معنی ہونگے کہ تم پوری کرو عدت قضاء
کی یعنی جتنے روزے بوجہ سفر یا مرض وغیرہ کے نہیں رکھے تھے اُن کو پورا
کر دو تبکیر کے معنی تغیم کے ہیں یعنی تغیم کرو اللہ کی حمد و ثناء کے ساتھ اور شکر کرو
تو بعض نے اسے بابت کہا کہ ہنگام رویت ہلال تبکیر کرنا چاہئے اور بعض نے کہا کہ یوم
الفطر میں تبکیر کرنا چاہئے یہی بیضاوی نے ذکر کیا ہے اور علامہ سعد الدین نے

شرح تجیص کے فن ثالث میں اسکی مفصل لکھا ہے (مسئلہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد اجابت دعا کو یمن فرمایا ہے قوله تعالیٰ (وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادُهِ عَاقِبَتِ قَرِيبٍ حَيِّبٌ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا فَلَيْسَ يُجِيبُوهُ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَنْبَغُنَّ لَهُمْ أَنْ يَقُولُوا هُوَ عِنْدَ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) ترجمہ یعنی اسی محمد جب سوال کریں تجھی میری بہت دعا مانگنے کے بارے میں تو تو کہہ دے کہ وہ دعا مانگنے تجھے میں مجیب اور قریب ہوں روایت ہے کہ اعرابی نے آنحضرت معلّم سے عرض کیا کہ آیا خدا ہمارا ہم سے قریب ہو کہ ہم اس سے اپنی دعا مانگیں یا بعید ہو کہ ہم اسکو پکاریں تب یہ آیت نازل ہوئی اور زاہدی میں ہے کہ لفظ قل یعنی کہہ دے اے محمد اسمین محذوف نہیں ہے بلکہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب سوال کریں تجھے میرے بابت دعا مانگنے کے بارے میں تو میں خود قریب مجیب ہوں اور اگر میرے سوا کسی دوسری چیز کا سوال کریں تو تو مامور ہی جواب دینے پر جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قوله تعالیٰ اَسْأَلُكَ عَنْ الْاَهْلَةِ قُلُوبُهُمْ (آخر آیت تک اس سے ثابت ہوا کہ قل کا محذوف ماننا خلاف سیاق کلام اللہ ہے اور اس آیت کے شان نزول کی بابت کہا کہ جو وجہ نزول آیت اخلہ لکم کی ہے وہی اسکی وجہ نزول ہے یعنی مباشرت صحابہ شب ہائے ماہ صیام میں اور اس آیت سے یہ مطلب ہے کہ اس معصیت مباشرت کے استغفار کی دعا اجابت کے لائق ہو اللہ پاک اسکا مجیب اور اس دعا کے واسطے قریب ہے پس اس توجیہ سے یہ آیت ہی اپنی آیات ماقبل اور مابعد سے مناسب بطور کہنتی ہے اور اسی آیات سے تمسک کیا گیا ہے کہ جب بند قضاء حاجت یار و ملا کیواسطے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ استجاب فرماتا ہے اور دعاؤں کے لئے بری تاثیر ہے

مگر اصحاب بدعت و صلاحت نے جو مستزکہ ہیں اسکو رد کیا ہے کہ دعا و جانوں سے خالی نہیں یا موافق تقدیر الہی کے ہوگی یا مخالف تقدیر الہی کے پس اگر موافق تقدیر ہو تو ضرورت دعا کی کیونکہ باقی ہے اور اسکی کامیابی کو دعا کی اجابت پر کیوں محمل کیا جائے اور اگر مخالف تقدیر ہو تو کیونکر امید کامیابی ہو سکتی ہے کیونکہ جفا القلم بہا ہو کاین کا نشا اس تبدیل کو باطل کرتا ہے میں اسطرح اسکا جواب دیتا ہوں کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک ہرم جو کبھی نہیں بدلتی دوسری موقتہ متعلق ہے اس امر پر کہ اگر بندہ دعا مانگے تو وہ تبدیل ہو جائے مثلاً اگر مریض دعا مانگے تو صحت ہو جائے اور نہ ہلاک ہو دعا کے واسطے بڑی تاثیر ہے حتیٰ کہ صحت و شفا بھی اوس سے متعلق ہے اور یہی حال ہے صدقہ کا اور مردوں کے واسطے دعا مانگنے کا اور یہ غرض ہیں کہ ہر عام آدمی ان امور کو نہیں سمجھ سکتا اور قریب سے دعا قرب مکان کا نہیں (نعوذ باللہ من ذلک) بلکہ یہ معنی ہیں کہ قریب الرحمت یا یہ تشابہ ہے یعنی جو مراد الہی اس لفظ سے ہے وہ حق ہو اسکے بیان اور کیفیت کی تشریح کرنا جائز ہے یا مجازاً از روئے علم کے داعی کے احوال پر اور دعا کی اجابت پر قریب ہے یہ دعا ہے کہ قبولیت تعجیل کے ساتھ ہوتی ہو بلا تاخیر کے پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بسا اوقات اجابت دعا میں تاخیر واقع ہوتی ہو بلکہ بعض بالکل مستجاب نہیں ہوتی مثل دعا کا فر کے یا بعض دعا میں کے تو کیونکر اجابت میں تعجیل ثابت ہوگی تمام آدمیوں کی دعا کے واسطے اور دعا اسم جنس ہو اس سے مراد کوئی مخصوص دعائیں ہو سکتی اس اعتراض کے جواب اسطرح ہیں کہ اجابت کے معنی یہ ہیں کہ پروردگار عالم اپنے بندے کی دعا منکر لبیک یا عبدکے فرامی تزیہ دعا مانگتے ہی ہوتا ہی ہر بندہ میں

کیوسلے اور مراد اجابت سے عطا فرماتا تھا باقتضای حاجت اس آیت میں مذکور نہیں
 ہے اکثر عاشقانِ الہی جو لداؤ دین و دنیا و دنون کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ پاک
 سے اسی کے وصل کی دعا مانگتے ہیں وہ بھی تو دعا ہوتی ہے یعنی عاشق کی دعا میں
 بجز ذاتِ الہی کے کچھ بھی منظور و مدعا نہیں ہوتا اگر فرشتہ تسلیم کر لیا جائے کہ دعا
 مستحسن حاجت و مدعا ضرور ہوتی ہے تو اسکی تاخیر کی وجہ اللہ پاک کی محبت ہے کہ
 اجابت یعنی قضاء حاجت میں اسوجہ تاخیر فرماتا ہے کہ یہ بندہ دعا مانگتا رہے اس کا
 دعا مانگنا اسکے نزدیک محبوب ہوتا ہے اور اس دعا کا سننا اچھا معلوم ہوتا ہے جیسے
 کہ روایت ہے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا اپنے پروردگار
 کو تو بیٹے عرض کیا کہ اے میرے رب کتب میں تجھے دعا مانگوں کب تو قبول فرمایا
 تو جواب میں فرمایا کہ اے یحییٰ میں پسند کرتا ہوں کہ سنوں تیری آواز کہ اور کبھی شرائط
 قبولیت مدد و مہم ہو جاتی ہیں مثل اکل حلال و صدق مقال وغیرہ کے جیسا کہ معتبر گونا
 و اخبار سے پایا جاتا ہے اور ایک یہ بھی جواب ہے کہ اجابت دعا محض فضل ہے مفید ہی
 شیت الہی ہے جسکو چاہے عطا فرمائے اور یہ بھی ہے کہ بعض وقت آدمی اپنے لئے خیر دین
 اور بہبودی منظور کرے کہ ایک دعا مانگتا ہے اور خیر اسکی عدم مقبولیت میں ہوتی ہے
 اسواسلے اجابت میں تاخیر ہوتی ہے اور یہ بھی ہے کہ کبھی مجنبہ دعا کی قبولیت اجابت
 ہوتی ہے اور کبھی رفع بلائے نازلہ عوض ہو جاتی ہے اجابت بعینہ کے اور کبھی بد
 اجابت دعا بعینہ کے درجہ اعلیٰ آخرت میں عطا فرمایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح
 میں وارد ہوا ہے امر دوم دعائی کا فرکی بابت سواہین اختلاف کیا ہے علماء نے
 اجابت کے باری میں تو بعض نے کہا کہ لفظ دعا عام ہے مومن و کافر و دنون کی دعا

مکاشفہ کافر کی دعا بھی مقبول و مستجاب ہوتی ہے یہاں تک کہ شیطان الرجیم نے دعا مانگی کہ دیا رب انظر فی الیوم ربیعثون یعنی یا اللہ مجھ کو مہلت دے قیامت تک باعتبار عمر و مواخذہ کے تو اللہ پاک نے اجابت فرمائی اور یوں حکم ہوا کہ۔
 فانك من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم پس اُس پر بعض نے فتویٰ دیدیا کہ کافر کی دعا بھی مقبول ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ کافر کی دعا مقبول نہیں ہوتی اور یہی صحیح ہے کیونکہ اُس پر قول الہی شاہد ہے کہ فرمایا قوله تعالیٰ (وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِینَ إِلَّا فِی ضَلَالٍ) اور دعا سے مراد عام دعا نہیں کہ مومن و کافر دونوں کو شامل ہو سیاق و سباق کلام اللہ دیکھنا چاہئے اور ابلیس کی دعا مستجاب نہیں ہوئی اسوجہ سے کہ اس نے تو یہ دعا مانگی کہ الہی مجھ کو کبھی موت نہ آئے اور نہ کبھی گزند پہنچے پس اسکو رد کر دیا اللہ تعالیٰ نے اور فرمایا کہ تو قیامت تک منتظر رہ اور وہ نفخۂ اولیٰ ہو تو اس سے حیات دائمی اسکو کب ملی بلکہ وہ بعد نفخۂ اولیٰ کے چالیس برس تک مردہ رہیگا یہ خلاصہ ہے تفاسیر اور کتب کلام کا جو مینے مختصر ذکر کر دیا اب ہم اس امر کو مختصر بیان کرتے ہیں کہ پروردگار عالم نے اس آیت کو یہاں کیوں نازل فرمایا تو واضح ہو کہ اسکا یہ اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا مہینے بھر کے روز دنگا اور پوری کرنے عذت کا اور برا بیگختہ کیا انکو وظائف شکر کے قائم کہنے پر تو آخرین یہ آیت نازل فرمائی کہ وہ اللہ پاک خبردار ہے تمہارے احوال سے سنتا ہے تمہاری اقوال کو مجیب ہے تمہاری دعاؤں کا اور مجاز ہے لینے بدلہ دینے والا ہے تمہارے اعمال کا تو گویا یہ آیت تاکید ہے ان احکام کی اور برا بیگختہ کرنے والی ہے کیونکہ جیسا کہ بیضاوی نے ذکر کیا یا یہ کہ دعا روزہ دار کی زیادہ

مستحق ہی اجابت کی غیر روزہ دار سے جیسا کہ کہا بشرح حسین میں اور احادیث ہی اس
 معنی کی تائید کرتی ہیں اور کتب اوراد میں شرائط دعا و اوقات اجابت اور اس کے
 احکام مفصل درج ہیں بخوف طوالت یہاں اونکا بیان ترک کیا گیا اسکے بعد ذکر
 کیا اللہ تعالیٰ نے بقیہ احکام صیام کا پس فرمایا اِذَا خَلَا لَكَ لَيْلَةُ الصِّيَامِ الْفِطْرُ
 الِی نَسَا لَكَ مِنْ لِبَاسٍ لَكَمْ وَانْتُمْ لِبَاسُ لِحْنٍ عَلِمَ اللَّهُ اَنْكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ اَنْفُسَكُمْ
 فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوْهُمْ وَاَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ فَكُلُوا
 وَاشْرَبُوا حَتّٰی تَبْلُغُوا الْاَبْيَضَ مِنَ الْخِطِّ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتُوا الصِّيَامَ
 الِی لَیْلِ وَلَا تَبَاشَرُوْهُمْ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا
 تَقْرُبُوهَا كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللَّهُ لِّلنَّاسِ اٰیَاتِهِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ترجمہ حلال ہوا
 تمکو روزہ کی رات میں مباشرت کرنا اپنی عورتوں سے وہ لباس ہیں تمہارے
 لئے اور تم لباس ہواؤں کے لئے اللہ نے معلوم کیا کہ تم اپنی چوری کرتے تھے
 اس امر میں تو معاف کیا تمکو اور درگزر کی تم سے پھر اب ملو تم اُن سے اور چاہو جو
 لکھو یا اللہ نے اور کہا تو چوب تک صاف نظر نہ آئے تمکو دھاری سفید دھاری
 سیاہ سے جدا فجر کے پھر پورا کرو روزہ رات تک واضح ہو کہ سابقہ شریعتوں میں
 مغرب کو روزہ افطار کیا جاتا تھا اور عشاء تک کھانا پینا مباشرت وغیرہ فطرات کا
 استعمال ہوتا تھا بعد عشاء پھر روزہ شروع ہو جاتا دوسرے مغرب تک تو یہی حکم
 روزہ کی بابت پیاری نبی علیہ السلام کے وقت میں باقی تھا تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 اور بعض صحابہ مرکب ہوئے مباشرت کے غلبہ شہوت کی وجہ سے شبائی رمضان
 میں پھر ناوم ہوئے اپنے اس فعل سے اور عرض کیا آنحضرت کی خدمت میں تب

انازل ہوئی یہ آیت جس بشارت ہوئی مغفرت اُس گناہ کی اور اجازت ہوئی خیر کے
 وقت تک کہانے پینے اور مباشرت کرنیکی اور منع ہوا مباشرت کرنا اعتکاف میں
 (اَحِلُّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الْمُتَوَشَّطِ) رفت سے مراد مباشرت کرنا ہی جیسے طہی کرنا
 اور لفظ رفت اللہ پاک نے استہجانا استعمال فرمایا ہے جیسا کہ آگے تختابون سے
 مخاطب کیا یعنی خیانت سے شوب گردانا اور لباس سے مراد یہ ہو کہ زن و مرد میں باہم
 ایسا قدرتی میل جول دیا گیا ہو گویا ایک دوسرے کا لباس میں یا یہ کہ جیسا لباس باہم
 پر وہ پوشی کا ہوتا ہے اس طرح ایک دوسرے کو خواہش و بد اعمالی سے باز رکھنے کا سبب
 ہوتا ہے اور علم اللہ سے متعدد و نوجہ لون مذکورہ کی یہ غشا ہے کہ اون لوگوں کو
 اپنی غشو مصیبت کا اطمینان ہو جائے انکی تسکین خاطر کیلئے فرمایا گیا ہے اور بَشَرِ
 سے یہ مراد ہے کہ عورت کو مباشرت کیلئے طلب کر جس غرض سے کہ جائز گردانا ہو یعنی
 توالد و تناسل کی واسطے جس سے اولاد زیادہ پیدا ہو اور اسلام کو تقویت ہو چنانچہ فرمایا
 آنحضرت صلعم نے کہ تود جواتنا کھواتوالد و اتناسلوا فانا اباہی بکثرت امتی و لو
 کان مسقطا یعنی ازواج اس غرض سے کرتا کہ اولاد زیادہ ہو اور میں اپنی کثرت
 امت پر فخر کروں اگرچہ کچھ نا تمام ہی کیوں نہ پیدا ہو و مثل بھائم وغیرہ کے محض قضا
 شہوت کی غرض سے یا یہ معنی ہوئے کہ مباشرت کر و موافق حکم خدا کے ایام طہرین اور
 مقام فرج میں کہ وہ موضع حرث و تناسل ہے نہ ایام حیض میں اور نہ موضع دبر میں
 کہ وہ محض رفع شہوت کا مقام ہو یا یہ کہ محض اپنی ازواج اور کثیروں سے کروجن
 سے جائز ہے نہ غیر عورتوں سے جسے حرام ہے اسکے علاوہ بھی اور توجیہات بیان
 کئے ہیں اور کہا نا پینا الفاظ کُلُوا و اشربُوا سے صاف ظاہر ہے کہ فخر تک جائز ہے

اور روایت ہے کہ ایک شخص جس کا نام حرم بن انس تھا فقیر آدمی اپنی عیال کے ساتھ
زندگی بسر کرتا تھا اور اجرت پر اُس کا گذر تھا ایک روز رمضان میں بوجہ کسلم ماندگی
کے ابتدائے شب میں اوسکی آنکھ لگ گئی اور دوسرے روز شب کو بلا کہا نا کھائے سو
روزہ رکھ لیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا چہرہ بہت انرا موایا تو اس کو سبب
دریافت کیا اس نے واقعہ شب کا بیان کر دیا تب یہ آیت اُن کے حق میں نازل ہوئی
جیسے مباشرت بوجہ از نکاب فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اُنکی توبہ کی وجہ سے
حلال ہوئی اسی طرح اکل و شرب اس حرم بن انس کے سبب سے جائز و حلال ہوا زائد
میں اسی طرح یہ قصہ لکھا ہے (خَطُّ الْاَبْيَضِ) کے معنی میں بہت سے توجیہات میں
مختصر لکھا جاتا ہے کہ ایک روایت ہے عدی بن حاتم سے انہوں نے کہا کہ میں نے
دو دوری ایک سفید اور ایک سیاہ اپنے تکیہ کے نیچے رکھے جب تک انہیں امتیاز
نہیں ہو سکا تب تک میں نے شب کو تصور کیا پھر صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ باجرا
عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ (انك تعرض للفضا) یعنی تو سلیم القلب ہے مگر الخطُّ الْاَبْيَضِ
من الخطُّ الْاَسْوَدِ سے مراد سپیدی صبح اور ظلمت شب ہے یہی مدارک میں ہے اور
اسنے کشاف سے لیا ہے کشاف نے اُس کا ذکر مفصل اور پہلے کیا ہے اور امام زاہدی نے
کچھ تفسیر و تبدل سے اسی روایت کو بیان کیا ہے اور کشاف نے دوسری صورت بھی
بیان کی ہے اور حسینی میں بھی مذکور ہے صحیحین سے ہے کہ بعض صحابہ جب یہ آیت نازل
ہوئی تو سفید اور سیاہ دو سیٹیاں کیسی چیز پر لیٹ رکھتے اور جب تک اُن میں
سفیدی اور سیاہی کا تیز نہ ہوتا اکل و شرب و مجامعت کرتے رہتے تا آنکہ نازل ہوا
من الفجر بیان کے طریقہ پر تب سے پہلے جانا خطُّ الْاَبْيَضِ سے مراد نور صبح

اور خبط اسودہ سے مرا ظلمت شب پھر علمائے تاخیر یا مین بہت ہی بحث کی
ہی کہ بیان کسوجہ سے بعد کو نازل ہوا یا بعد رمضان لفظ من الفجر بطریق بیان
نازل ہوا یا کیا اگر بعد رمضان ہو تو وقت حاجت توکل گیا تھا پھر اس سے کیا
فائدہ ہوا اس طرح کی بہت سی بحث ہے اور نیز کلمہ حتیٰ میں گفتگو کی ہے کہ آیا غایت
داخل صیہ ہی یا کیا تو خلاصہ یہ ہے کہ غایت داخل صیہ نہیں یعنی کوئی اول حصہ صبح
کا داخل شب نہیں جیسے کہ افطار میں کوئی ادنیٰ حصہ شب کا داخل روز نہیں پس جس وقت
سے غیظ امین ظاہر ہوا اس وقت سے جب تک عروب آفتاب ہوا کل و شرب اور
وطی حرام ہیں اور چونکہ لفظ صوم کے معنی محض اساک ہیں یعنی اپنے کو امور ممنوعہ
سے باز رکھنا تو ایک گفری بھرا باز رکھنے پر بھی صوم کا لفظ صادق آسکتا تھا اس
واسطے اللہ پاک نے اسکی حدیں بیان فرمادیں پھر جنابت کی بابت بحث کی گئی کہ
جو شخص صبح کو جنب ہوا یا وہ روزہ رکھ سکتا ہی تو امام فخر الاسلام نے بیان کیا کہ
جنابت روزہ کو مانع نہیں ہو سکتی کیونکہ جو شخص آخری حصہ شب میں نجاست کرے گا
ضرور رہے کہ صبح کو جنب ہو اسکو جائز ہی کہ روزہ رکھے اور غسل کر ڈالے بخلاف
بعض اصحاب حدیث کے انہوں نے تمسک کیا ہی حدیث ابو ہریرہ پر کہ (من اصاب
جنباً فلا صوم لہ) یعنی جو شخص جنب صبح کو ہوا اسکا روزہ نہیں ہو سکتا اور
انما الصیام الی اللیل سے اشارہ ہی اس امر کا کہ عینون امر ممنوعہ کے روزے
میں کرے کفارہ لازم آتا ہی نہ جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ صرف نجاست
سے کفارہ لازم آتا ہے انہوں نے حدیث اعرابی پر تمسک کیا ہی اور بقول صحیح
جائز ہی نیت کرنا روزے کے دغین کیونکہ جب آخر حصہ شب تک ہر سہ امر ممنوعہ یعنی

اکل و شرب و جماع کا جاری رکھنا جائز ہے تو روزے کی نیت کی اباحت دن کو لازم ہوگی اگرچہ نیت قبل فجر نیت کا کرنا بپا بندی کا سنت جاری رکھا ہو ورنہ تو حین ہی شیخ ابوالحسین نے کہا کہ ابو جعفر خیار عمر قندی (ز جائز رکھا ہی نیت کو دین اور بعض نے کہا کہ نیت صوم قبل فجر ہونا چاہئے اس سبب سے کہ اگر بعد فجر ہو تو جب قدر وقت دین قبل نیت گزارا وہ خارج از صوم ہوا کیونکہ محض اس کا بلا نیت روزہ نہیں ہو سکتا اور اَتَمُّوْا الصَّیَّامَ اِلٰی اللَّیْلِ) سے بھی مطلب کہ صوم وصال حرام ہے یعنی متواتر روزہ پر بلا روزہ کہو لے روزہ رکھنا جیسا کہ مفصل لکھا اس کو صاب کشاف نے اور مدارک فی اور یہ بھی معنی ہیں کہ حد صوم تمام اس وقت ہوتی ہے اس وقت تک امور ممنوعہ متعلق روزہ ہی باز رہو اگر اس وقت میں کسی ایک امر کے ہی ترک ہو گے تو کفارہ لازم آئے گا اور بعد گزرنے وقت محدود کے مختار ہو اور اس کے بابت یہ ذکر میں پہلے کرچکا ہو کہ اتفاق غیبی کی تحقیقات سے قولہ تعالیٰ اَجَلٌ

لَكُمْ لِيَكْلَ الصَّیَّامَ (الآخرہ) ناسخ ہے اور قولہ تعالیٰ لَمَّا كَتَبَ عَلَی الذِّیْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ میں تشبیہ محض بوجہ فرضیت صوم ہے نہ بسبب مشابہت احکام اور قولہ تعالیٰ (ولات باشرھن وانتم عاکفون) یعنی جبکہ مستکف ہو تب وطی نہ کرو اس کا یہ قصہ ہے کہ لوگ مسجد و زمین اعتکاف کرتے اور گھر و زمین شب کو رفع ضرورت کو آتے تو وطی کر لیتے اور غسل کر کے داخل مسجد ہو جاتے تو اللہ پاک نے حکم نازل فرمایا کہ مستکف لوگوں پر شب ہائے ماہ رمضان میں بھی مثل ایام رمضان کے وطی ناجائز ہے جب تک کہ اعتکاف میں ہیں اور اسی آیت سے صاحب کشاف نے استدلال کیا کہ اعتکاف مسجد ہی میں ہو سکتا ہے اور بعض نے کہا کہ صرف مسجد

بیت المقدس اور مسجد حرام اور مسجد مدینہ میں ہو سکتا ہے اور بعض نے کہا کہ صرف مسجد جامع میں اور عامہ علماء کا یہ خیال ہو کہ اس مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں جماعت ہوتی ہے یہ کل اسکا بیان ہے اب اس آیت کے معنی میں مختلف تفسیریں ہیں کہ آیا اس سے اعتکاف فرض ہو گیا یا نہیں اور اعتکاف بلا صوم ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا وغیرہ مگر سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اعتکاف کے معنی محض رہنے کے ہیں اور یہاں مدعا یہ ہے کہ مسجد میں روزہ دار رہے بہریت اعتکاف کے پس جتنے روز اعتکاف کرے اور روزوں کی شب میں وطی حرام ہے پھر فقہانے کہا کہ وطی کرنا علاوہ فرج کے بغیر انزال اگرچہ حرام ہو اور بوسہ لینا اور مساس کرنا اعتکاف کو نہیں توڑتا اور جائز ہے مختلف کے واسطے اکل و شرب و نوم اور بیع و شرب و بنیر لائے ہوئے بیع کی مسجد میں نہ کہتا ہو کہ اگرچہ یہ تمام سائل اس آیت سے مستنبط ہو سکتے ہوں لیکن یہ آیت تو اس غرض سے نازل ہوئی کہ اعتکاف میں مباشرت حرام ہے یعنی جیسے غیر معتکف کو خواہ صبحا ہوں یا عام مسلمین شب یا نئی رمضان میں مباشرت حلال ہے سطح معتکف کو حلال نہیں پھر چونکہ وطی بغیر انزال علاوہ موضع فرج کے اور بوسہ اور مساس وغیرہ کو مباشرت نہیں کہہ سکتے اس واسطے وہ فاسد اعتکاف نہیں ہو سکتے البتہ جو وطی بعد انزال واقع ہو وہ مباشرت کے حکم میں شامل ہو جائیگی اور عورت کو اعتکاف گھر میں جائز ہے کیونکہ مرد کو اعتکاف کی بات مسجد کی شرط نص سے پائی گئی اور مباشرت کا امتناع پایا گیا تو باقی سب احکام و امور مثل سابق رہے اسکے علاوہ بہت سے احکام اور سباحت میں جو بخوف طوالت ترک کی گئے قولہ تعالیٰ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا اشارہ ہے تمام مسائل صیام کی بابت کہا گیا

کہ اس میں ایک مشکل یہ کہ اس کیت سے مقصود مماثلت ہی محدود اللہ سے بخا دزکی
 نو قریب سے کیا مدعا پیدا ہوا کہ قریب ہوا کے اس کا جواب ہوا کہ مطلب یہ ہے
 کہ یہ حدود اللہ ہی انکی مخالفت یا تغیر و تبدل کے بھی قریب بخا د تو مقصود جو نہیں ہے
 تھا و اور بھی ہو کہ ہو گیا ہی یعنی اللہ پاک نے جو امور ممنوع اور حرام فرمائے گئے
 قریب بھی بخا د اس سے مماثلت میں مبالغہ ہی نہیں بیان ہے تناسیر کا اور خلاصہ
 علماء کی راہی کا (مسئلہ) غیر کا مال لینا اور کھانا حرام ہی قولہ تعالیٰ اَلَا
 تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمۡ بَيْنَكُمۡ بِالْبَاطِلِ وَتُدۡنُوْا حٰلَالِیَ الْکَاْمِلِ لِمَا حُرِّمَ عَلَیْکُمۡ وَتُفۡسِقُوۡنَ
 اَمْوَالَكُمۡ مِّنۡ حِلٍّ مِّمَّا کَرِهَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَلَا تَعْلَمُوۡنَ (یعنی مت کھاؤ اپنے مال کو ناجائز طریقہ سے یعنی
 جن امور کو شرع نے حرام کیا ہی مثل شراب و زنا وغیرہ انواع ممنوعات کی از کتاب
 میں اپنا مال صرف نہ کرو جیسا کہ تفسیر حسینی میں ہے یا یہ معنی ہوئی کہ مت کھاؤ ایک
 دوسرے کا مال ناجائز ہی طریقہ سے مثل چوری اور غصب اور جو وغیرہ کے
 ذریعہ سے جو شرعاً ممنوع و حرام ہیں یعنی ہیں جو نسبت اول کے معنی کے
 زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں کہ گے والے فقرہ سے پورا ربط رکھتے ہیں یعنی
 غیر دنکا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور اسکے ذریعہ سے حکام کا قرب نہ
 حاصل کرو کہ انکی حمایت سے دوسرے مسلمانوں کا مال تلف ہو جاوے گناہ کے طریقہ پر
 مثل جھوٹی گواہی کے یا مثل حلف دروغی کے یا دوسرے ناجائز طریقہ سے باوجود علم
 کے اور مراد حکام سے حاکم شریعت مثل قاضی منشی اور علم اور سلطان کے خلاصہ یہ
 ہوا کہ تم جانتے ہو کہ تم باطل پر ہو حقیقتہً اپنے دعویٰ اور گواہی اور قسم اور صلح
 وغیرہ پر اور باعتبار ظاہر تقریر کے تم حق پر معلوم ہوتے ہو تو تم اسکو مت حاصل کرو

اور مت کہاؤ اگرچہ ظاہر میں وہ تمہارا حق ثابت ہو جائے کیونکہ وہ حقیقت میں تمہارا حق نہیں ہے چنانچہ روایت ہے کہ عبدان حضرمی نے دعویٰ کیا امرا لقیس کنزی پر ایک قطعہ راسنی کا اور ان کے پاس ثبوت دعویٰ کی کوئی دلیل نہ تھی تو فیصلہ فرمایا آنحضرت صلیم نے کہ امرا لقیس حلف کرے چنانچہ امرا لقیس آمادہ ہوئے حلف کرنے کو کہ آنحضرت صلیم نے یہ آیت پڑھی (اِنَّ الَّذِیْنَ یُشْکِرُوْنَ بِعَمَلِ اللّٰهِ وَآٰمَانِهِمْ ثُمَّ اَصَابُوْهُمُ الْاَلْحَیْہُ تَوٰمِرٌ اَلْقِیْسُ فِیْ حَلْفٍ سَے انکار کیا اور مدعی کو اراضی سپرد کر دی عیب یہ آیت نازل ہوئی یہ روایت بیضادی کی ہو اور زاہدی کی روایت ہے کہ امرا لقیس نے حلف کر لیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور امرا لقیس نے قطعہ زمین سے دعویٰ کر معہ ایک اور قطعہ زمین کے دیدیا تو نبی علیہ السلام نے بشارت جنت دی انکو فی الجملہ یہ آیت ایسے امور کی موافقت کے واسطے نازل ہوئی ہو اگرچہ اس سے یہ بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ قاضی ظاہری دلائل فریقین پر فیصلہ کر سکتا ہو اگرچہ گواہی و دروغ سے دعویٰ ثابت کیا گیا ہو جیسا کہ خیال کیا ابو یوسف اور محمد اور امام شافعی علیہم السلام نے بخلاف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے نزدیک قاضی کو ظاہر اور باطن دونوں پہلو پر غور کرنا واجب ہو اور روایت ہو کہ فرمایا آنحضرت صلیم نے دو شخص کو جو باہم مخاصم تھے یعنی فریقین تھے کہ میں بھی آدمی ہوں اور تم میرے پاس اپنے قبضے لاتے ہو اور بعض تم میں سے اپنی خوش تقریری سے اپنا مدعا ثابت کر دیتا ہو اور میں جیسا سنتا ہوں اسکو موافق فیصلہ کر دیتا ہوں پس اگر میں بمقتضای حالت ظاہری ایسا فیصلہ کروں جو دوسرے کے مال کا تمام مالک بنادے تو تم کو چاہئے کہ وہ مال نہ لو اور حق حقدار

اور دید و در نہ اس کے بدلے عذاب و دوزخ ہو گا یہ سن کر دونوں روئے اور عرض
 کیا ہر ایک نے کہ میں نفلان حق اپنے اس شریک کا دبا یا ہر پس فرمایا میں نفلان
 نے کہ تم دونوں جیسے جاؤ اور باہم موافق حق کے تقسیم کر لو اور ہر ایک دوسرے کو
 خوشنود کر لو۔ اور کہا گیا کہ حکام سے مراد حکام ظالمین ہیں یعنی فرمایا ہر اللہ پاک کہ
 تم ظالم حکام کو مال بطریق رشوت و دیگر قربت نہ حاصل کرو اور یہ نکر وہ انکی حیات میں
 اور بیونکا مال نادا جب کہا جاؤ فساد و تہمت و نسبت وغیرہ سے جیسے کہ پہل ہمارے
 زمانہ میں یہ ناجائز طریقہ جاری و شائع ہے اور یہ محض حرام ہی زروی نفس کے
 (نفوذ باللہ من ذلک) کیونکہ اس میں ضرر ہی مسلمانوں کا اور اللہ تعالیٰ ذلعت
 کی ہو اور جو ضرر پہنچائے مسلمانوں کو یا غیر کو یہ تو مضمون آیت کا ہو لیکن بعض
 فتاویٰ سے پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی آدمی حلیم و نسی حکام ہو اور کسی سے کچھ
 روپیہ وغیرہ لیے بشرطیکہ دوسرے شخص کا ضرر و مین نہ ہو جائز ہی بعض کے نزدیک
 کیونکہ اس میں کسی کا ضرر نہیں بلکہ فائدہ متصور ہی اور ہدایہ میں ہی کہ دفع ظلم کی واسطے
 رشوت دیکر دفع ظلم کرنا جائز ہی اور اللہ تعالیٰ نے بعد سائل صیام کے اس سلسلہ
 کو بیان فرمایا جو اسکے مناسب تھا یہی لکھا ہی حواشی بیضاوی میں مسئلہ بعض
 عادات جاہلیت کے نسخ کے بیان میں۔ و قوله تعالیٰ وَيَسْأَلُونَكَ
 عَنِ الْهَلَالَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحُجَّةِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ بَانَ تَأْتُوا الْبُيُوتَ
 مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مِنَ اتَّقَى وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ
 لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ترجمہ تجھے سوال کرتے ہیں چاند کی بابت سو تو جواب دے
 کہ وہ آدمیوں کے لئے وقت دریافت کر نیکو ہو اور حج معلوم کر نیکو اور یہ

مکی نہیں ہے کہ تم حرم کے پیچھے سے آؤ بلکہ مکی یہ ہے کہ جو پرہیزگاری کرے خدا کے
 واسطے اور گھر میں آؤ اسکے دروازہ سے اور تم پرہیزگاری کرو خدا کے واسطے
 شاید کہ تم نیک ہو جاؤ۔ اگرچہ آیت میں بیان مقصد و بیان کرنا لیس البتہ ہی مناسب
 تھا مگر چونکہ وہ مقدم سے متعلق ہے اس واسطے اسکا بیان بھی ضرور ہوا۔ واضح ہو
 کہ مساذ بن جبل نے سوال کیا آنحضرت صلیم سے کہ کیا سبب ہے ہلال کے بڑھنے کا اور پھر
 کا کہوں یہ رفتہ رفتہ بڑھتا ہوتا ہے تاکہ ہر پرہیزگار اسے اور پھر کیوں گھٹتا ہوتا ہے تاکہ ہر
 غائب ہو جاتا ہے چونکہ خداوند عالم خوب واقف تھا کہ یہ لوگ اسکے سبب کو نہیں سمجھ
 سکتے اسکا سمجھنا علم ہیئت پر منحصر ہے اس واسطے اسکا سبب بیان نہ فرمایا اور
 اس کے فوائد سے بحث کر دی کہ یہ آدمیوں کے وقت پہچاننے کو ہے تاکہ عدت اور
 مدت حمل اور مدت شیر خورانی و اوقات حج وغیرہ معلوم کر سکیں کہ ہلال دیکھ کر ابتدا
 تاریخ اور بدر سے چودھویں تاریخ اور بالکل منعدم ہونے سے آخری تاریخ ماہ کی خیال
 کر سکیں و علیٰ ہذا القیاس اسکو ذکر کیا ہے علم معانی میں اور تفسیر حسینی میں اور صاحب کشاف
 و مدارک نے یہ ذکر نہیں کیا بلکہ اسکے فائدے سے پہلو ہٹ کر کہ یہ لکھا کہ سوال
 و جواب دونوں میں حکمت ہے اور بیضاوی نے لکھا کہ سوال حکمت سے تھا اسلئے
 جواب بھی حکمت سے دیا گیا اور زبیدی میں ہے کہ انہوں نے سوال کیا تھا خلقت کا
 اور جواب دیا گیا پہلے مرتبہ حکمت کا پھر بیان کیا گیا خلقت کا جیسا کہ فرمایا اللہ
 تعالیٰ اے قولہ تعالیٰ فَجَعَلْنَا الْکَلْبَ وَالنَّمْلَ آيَتَيْنِ الخ اور مسائل کے
 سوال سے زیادہ فقہ رمان جواب دینا بہت بہتر ہے۔ فی الجملہ اس آیت کی اور
 زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ اب ہم اس آیت کا ذکر کرتے ہیں جو مقصود ہے

یعنی لیس لبر الی آخرہ اسکا یہ تقدیر کہ آیات جاہلیت میں جب احرام باندھتے تھے حج کا تو گھروں کے دروازوں سے نہیں آتے اور جو کوئی دروازہ سے آتا اسکو فاجر کہتے تھے بلکہ اگر صاحب مکان ہوتے تو مکان کے پیچھے سے اور جو صاحب سیمہ ہوتے تو سیمہ کے پیچھے سے آتے تھے یہ ایک عام حکم تھا جو تمام عرب میں جاری تھا بجز خمس کے کہ وہ قبیلہ بنی قریظ اور بنی خزاعہ اور بنی عامر اور بنی ثقیف کا پس جبکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازہ سے برآمد ہوئے بحالت احرام اور رفاعہ انصاری بھی برآمد ہوئے بحالت احرام تو تمام اہل عرب نے انکو فاجر کہنا شروع کیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفاعہ کو کہا کہ جب تو خمس سے نہیں تو کیوں دروازے سے برآمد ہوا اور میں تو خمس میں کیوں آؤں اسکو دروازہ ہی برآمد ہوا تو رفاعہ نے عرض کیا کہ میں بھی خمس سے ہوں کیونکہ میری حضور کا دین شی ہے اسوقت یہ آیت نازل ہوئی لیس لبر الی آخرہ یعنی اس رسم کی مماثلت فرمائی اللہ تعالیٰ نے کہ یہ چھلا کی رسمیں ہیں انہیں نیکی نہیں ہے ان رواسم شیعہ کو ترک کرو دروازوں سے ہی برآمد ہونا بہتر ہے اور عمدہ بات ہے اور دروازہ سے ایسے امور کے ازکاب کرنے میں اور تمام مسلمانان بلا قید خمس کے سب دروازے آؤ گھر و زمین پس تیغ ہو گئی اس عادت جاہلیت کا جو پہلے تھی اور ہمارا یہی مقصود تھا اس بیان سے پس اگر یہ کہا جائے کہ کس وجہ سے اللہ پاک نے بعد جواب (مسئلہ) ہلال کے اس آیت کو نازل فرمایا انہیں باہم کیا مناسبت ہے تو اسکا یہ جواب ہے کہ ہلال کے فوائد میں اللہ تعالیٰ نے حج کی بابت بھی بیان فرمادیا کہ یہ رسم جو حج سے متعلق ہے وہ منسوخ کر دی جائے یا انہوں نے دونوں امر کا سوال کیا ہو تو دونوں کا جواب یکے بعد دیگرے منفلاً دیا گیا یا یہ کہ حوا انہوں نے

سوال کیا تھا وہ انکے واسطے غیر ضروری تھا تو جواب میں یہ ظاہر فرمایا گیا کہ تمکو اس قسم کے امور فائدہ رسان ہیں جو تمکو انجام میں کارآمد ہوں اور تمہارے بری عادتوں کو ترک کران میں اور نیز اس سوال کا بھی جواب دیدیا گیا یہ کل بیضادی میں ہی اور صاحب کشاف و مدارک نے درجہ بالا ذکر نہیں کیا بلکہ صاحب مدارک نے اس طرح تو چہنہ کی کہ گویا انکے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کل اس وحکت بالغہ کے موافق ہیں تم انکی باریکی کو نہیں سمجھ سکتے اپنے فائدہ دن سے مطلب یہ کہو اور ادیسکا سوال کرو یہ سوال چھوڑو اور غور کرو کہ جو رسم تم نے اختیار کی ہے دروازہ سے نہ آئیںکی اور اسکو تم عمدہ اور نیک تصور کرتے ہو اس میں کچھ نیکی نہیں ہے اسکو ترک کرو اور دروازہ سے آیا کرو بعض نے یہم بھی کہا ہے کہ دروازہ سے گرین آئیںکی یہ مراد ہے کہ عورتوں سے فرج میں حجامت کرو اور پیچھے سے نہ آئیںکی یہ مطلب ہے کہ دُبر کی جانب سے دلی نہ کرو اور اس حالت میں یہ روئض کار ہو جائیگا کیونکہ انہوں نے دُبر میں عورتوں سے دلی کرنا جائز خیال کیا ہے اور اس آیت سے تمسک کیا ہے (فَاتَوَّأَحْرُکُمْ اَتَى شَيْئًا) الی آخر اس کا ذکر مفصل کے آئینگانہ اشارہ اب اس سائل قتال کا بیان کیا جاتا ہے اس میں چند آیات متصلہ ہیں انکے اوائل یہ ہیں تَلَاوَاتِلُوا فِی سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَقَاتِلُوْا وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ فَاَقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ تَقَعُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرِجُوْكُمْ وَالفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تَقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یَقَاتِلُوْكُمْ فِیْهِ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاَقْتُلُوْهُمْ کَذٰلِکَ جَزَاءُ الْکَافِرِیْنَ بَاِیْ اَنْتَھُوْا فَلَاِنَّ اللّٰهَ عَفُوْدٌ رَّحِیْمٌ ترجمہ اور لڑو تم اللہ کی راہ میں ان سے جو لڑتے ہیں تم سے اور زیادتی مت کرو اللہ نہیں چاہتا زیادتی کرنے والے کو اور قتل کرو انکو

جس جگہ پاؤ اور نکالو گے جیسے کہ نکال دیا انہوں نے تمکو اور فتنہ زیادہ ہو قتل
 سے اور نہ قتل کرو اور کچھ سب حرام کے پاس جینک وہ دلائل میں تم سے اور جس جگہ پر
 اگر وہ دلائل انکو اور وہی سزا ہی منکر دینی پھر اگر باز آئین تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے
 واضح ہو کہ مسائل قتال و جہاد میں اکثر آیات مختلف مقامات میں وارد ہوئی ہیں
 اور کلام اللہ میں یہ مضمون بفضل و تشریح بکثرت واقع ہوا ہے بعض ان میں نسخہ این
 اور بعض نسخہ اور بعض ایک مسئلہ خاص متعلق جہاد کو ظاہر کرتا ہے اور بعض اکثر مسائل
 پر شامل ہیں پس بعض تو اس سورہ میں اور بعض سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ
 میں ہیں چنانچہ اس سورہ کی آیات قتال بیان کی جاتی ہیں۔ روایت ہے کہ آنحضرت
 صلعم عام حدیبیہ میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ عمرہ ادا فرمائی گئی تھے تشریف لیکے تو
 مشرکین کہ برسرِ رخاش ہو کر مانع آئے اور مکہ معظمہ میں نہ آنے دیا آخر کار اس امر
 پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ تشریف لائیں اور تین روز کی واسطے آپ کو اجازت
 دی جائیگی اور مکہ معظمہ خالی کر دیا جائیگا چنانچہ اس شرط پر آپ صلح کر کے واپس بلاواؤ
 عمرہ مدینہ تشریف لے آئے جب دوسرا سال آیا اور آنحضرت صلعم حسبِ تشریعت
 مکہ معظمہ کو قضا عمرہ کی غرض سے تشریف لیکے تو تمام مسلمانانِ ہمارے ہی مترو و متحر
 کہ اگر مشرکین نے عہد وفا کیا اور شہر حرام اور بیت الحرام میں ہم سے جگہ کرنا چاہا
 تو ہم کیا کریں گے۔ شہر حرام سے مطلب ماہ ذیقعدہ و بیت الحرام سے مدعا کہ
 معظمہ ہے۔ اور اس معاملہ میں خداوند کریم کا کیا حکم صادر ہوتا ہے اور یہ خیال انکا
 اسوجہ سے تھا کہ زمانہ جاہلیت میں شہر حرام و حرم میں قتال حرام تھا اور ابتداء سے
 اسلام میں بھی یہی حکم جاری و شائع رہا تو تردد ہوا کہ آنحضرت صلعم مشرکین سے

قتال کرنے پر مامور ہونگے یا کیا تب اللہ پاک نے یہ آیات متصلہ نازل فرمائی جس کی ابتدا (وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ) ہوئے قتل کرو اور لوگوں کو جو تم کو قتل کریں اور زیادتی کرو یعنی ابتدا قتال کی تم کرو اور لوگوں کو جو تم کو قتل کریں تو تم بھی انکے قتل و قمع میں درمیان نہ کرو یہ حکم ابتدا اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا اور جاری ہو گیا قتل کفار خواہ مشرکین ابتدا کریں خواہ مسلمین ابتدا کریں دونوں حالتوں میں مسلمانوں کو ان سے قتال جائز ہو گیا اور اسی کے تائید میں یہ جو روایت کیا گیا ہے ربیع بن انس سے کہ یہ اول آیت ہے جو قتال کی بابت نازل ہوئی مدینہ منورہ میں پس اس حکم سے آنحضرت صلعم قتال فرماتے تھے اور لوگوں سے جواب سے آمادہ قتال ہوتے تھے اور قاتل فرماتے تھے ان لوگوں سے جواب سے باز رہتے تھے اور یہی صاحب کشف نے تحریر کیا ہوا اور بعض نے دَا لِدِیْنِ یُقَاتِلُوْکُمْ سے تمام کفار مراد لئے ہیں کیونکہ جمیع کفار درپے آزار تھے اور مقابلہ کرتے تھے اب خواہ وہ کسی وقت شریک مقابلہ نہ ہو سکے ہوں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اسکا مدعا یہ ہے کہ جو لوگ مقابلہ کے لائق ہوں تو اس سے شیخ قانی اور بچہ اور مجنون اور بیمار اور اندھے اور عورتیں وغیرہ مستثنیٰ ہو گئے یعنی ایسے پانچ اور غیر محمد و مشرک لوگوں سے مقابلہ نہ کرنا چاہئے تو گویا زیادتی کا یہ نہ تھا ہوا کہ ایسی لوگوں کو قتل نہ کرو انکا قتل کرنا جائز نہیں حرام ہے یا یہ معنی ہوئے کہ بغیر دعوت اسلام کے یعنی پہلے اسلام لائیکے ان سے درخواست کرو اگر انکار کریں تو جو یہ طلب کرو اگر یہ بھی منظور کریں تو قتال کرو بغیر ان شرائط مذکورہ کے قتال نہ کرو ورنہ زیادتی میں شمار ہو گا پس اگر یہ آخری معنی آیت کے لئے جائزین تو یہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ بحکم باقی ہے اور اسکا

حکم واجب اصل ہے یہ خلاصہ مختصر ایضاً دی کے بیان کا مع بعض سیری تقریر کے جو
 افاذۃ لکھی گئی اور معنی قولہ تعالیٰ فَاَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ کے یہ ہیں
 کہ جہاں پاؤ قتل کرو خواہ حرم ہو یا محل ہو، اور انکا اخراج کر دو وطن سے جیسا انہوں
 نے تم کو خارج کیا تھا سال گذشتہ تمہارے وطن سے پس اسی پر عمل در آمد فرمایا
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم فتح اسلام نہ لایوا لون کے ساتھ وَرَوَا لَفْتَنَةٍ
اَسْتَدْرَجُوا لَفْتَنَةً کے یہ معنی ہوئے کہ انکا اخراج کر دینا ان کے وطن سے قتل
 سے بھی زیادہ تکلیف وہ اور مصیبت رسان کام ہے کیونکہ اسکی مصیبت اور الم ان کے
 دلوں میں زندگی بھر رہیگا یا یہ کہ فتنہ بمعنی شرک کے ہے یعنی انکا شرک اور انکا تمہارا
 واسطے دخل مکہ سے مانے آنا گویا تمہارے قتل کرنے سے زیادہ ہی پس تم انکے قتل
 کرنے سے دریغ نہ کرو یا فتنہ سے مراد عذاب آخرت ہے یہ کل کشاف میں مفصل ہے
 اور وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے یہ معنی ہیں کہ ابتدا قتل مسجد حرام کے
 پاس نہ کرو کیونکہ اس میں مسجد حرام کی ہتک بے حرمتی ہے لیکن اگر شرکین وہاں قتل
 کریں تو تم بھی قتال کرو اسوجہ سے کہ بے حرمتی وہ کر چکے اسکا عذاب انکے
 ذمہ عائد ہوگا تمپر کچھ گناہ نہیں اور کافرین کے ایسی ہی سزا ہوتی ہے اور صاحب
 مدارک نے کہا کہ ہمارے نزدیک تمام شہر حرام میں قتل جائز ہے اور ثَقِفْتُمُوهُمْ
 کا یہ منشا ہے کہ جہاں کہیں انکے مکانات وغیرہ میں پاؤ قتال کرو مگر مسجد حرام میں
 جہتک وہ تمکو قتل کریں ابتدا کریں تو تم بھی انکو قتل نہ کرو اور اگر وہ ابتدا کریں
 تو تم بھی انکو بے تکلف قتل کرو اور ایسا ہی شرح تالیفات میں ہے اور صاحب ایضاً دی
 نے اس میں کچھ قیل و قال نہیں کیا غالباً انکے نزدیک جو وجہ جو از قتل شہر حرام کے

میں وہ ہی وجہ جوازِ حرم کے ہوئے اگرچہ شرطِ ابتداء نہیں ہے اور معنی افسوس
 اَلَّذِينَ سَوَّاهُ اللّٰهُ عَقُوْرًا رَّحِيْمًا) یہ ہیں کہ اگر شرک شرک اور قتل سے باز آئیں
 تو اللہ پاک ان کے ذنوب کو بخشنے والا ہے اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرے خواہ وہ
 جو گناہ ان سے سابق میں مساوی ہو چکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں
 فرمایا۔ قوله تعالى قُلْ لِلّٰهِ كُفْرُ الدِّينِ اِنْ يَشَاءُوْا يُغْفِرْ لَكُمْ مَا تَدْرُسُوْنَ اَكْثَرُ
 اَشْهُرَ تَعَالٰی فرماتا ہے۔ قوله تعالى وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنُ فِتْنَةٌ وَيَكُوْرَ الدِّیْنُ
 لِلّٰهِ فَاِنْ اَسْتَوْسَوْا عَلَیْكُمْ اَلَا عَلَیْهِمُ الظَّالِمِیْنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اِلٰهَهُمْ اَحَدٌ
 وَ اَعْرَضُوْا عَنْ مَّا اَعْتَدُوْا عَلَیْكُمْ فَاَعْتَدُوْا عَلَیْكُمْ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدْتُمْ
 عَلَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ وَ انْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
 وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ وَ احْذَرُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْصِنِینَ ترجمہ ہے
 اور اے لوگو! ان سے جتنا کہ رہا ہے فساد اور دین رہے اللہ کا پر اگر وہ باز
 آئیں تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر حرمت کا ہینہ مقابل حرمت کے ہینے کے اور
 ادب رکھنے میں بدلا ہے پر جسے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسے اس
 نے زیادتی کی اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ ساتھ ہی پرہیزگاروں
 کے اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نڈاؤ اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو اللہ
 چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو پس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ قتل کرو ان کو یہاں تک
 کہ فتنہ نہ رہے آیت محکمہ ہے نسخ ہی دوسری آیات مقیدہ کو جو دربارہ حرمتِ قتال
 شہرِ حرام میں وارد ہوئی ہیں یعنی قتل کرو دشمنین کو یہاں تک کہ شرک باقی
 نہ رہے اور خالص اللہ پاک کا دین رہ جائے کہ شیطان اس میں داخل نہ ہو یعنی

بجز ذات الہی کے کسی کی دہان پر تشہود اور اگر وہ بازا میں شرک سے وہ ظالمین
 میں نہیں ہے کیونکہ عدوان ظالمین پر ہے اور بحالت بازاری کا قتل حرام ہے خدا تعالیٰ نے
 ظلم کی سزا کو بھی ظلم سے تغیر فرمایا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا قوله قَالَ الْعَالِي اِحْضَن
اَعْتَدَ اِي عَلَيْكَ فَاَعْتَدُ عَلَيْهِ یہی مدارک میں ہے اور اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ
 نے دوسری آیت یعنی سورۃ الانفال میں ذکر فرمایا ہے اگر کہا جائے کہ فتنہ سے مراد
 شرک ہے تو ذمی و حربی دونوں کا قتل کرنا یکساں ہو جائیگا اسکا جواب بعض فقہاء نے
 یوں دیا ہے کہ فتنہ سے مراد ان کا غلبہ اور تسلط ہے جو احکام دین کے اجرا
 میں حارج ہوتا ہے اور ذمی باعث امتناع اجراء کے احکام دینی نہیں ہوتا
 اسوجہ سے وہ مستثنیٰ ہو یا یہ کہ فتنہ سے مراد محاربہ و مقاتلہ ہے اور ذمی سے
 محاربہ نہیں ہوتا تو وہ باعث فتنہ بھی نہیں ہے یا یہ منسوخ آیت ہی آیت براتہ سے
 کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے (حَتَّى يَحْضُوا الْخِزْيَةَ) یعنی تاکہ جزیہ دیویں اور
 زمانہ گذشتہ میں تمکو مشرکین نے جو قتل کیا تھا اور قولہ تعالیٰ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ
بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ کا یہ منشا ہے کہ ذی القعدہ گذشتہ
 میں تمکو مشرکین نے قتل کیا تھا ذی القعدہ موجودہ میں تم ان کو قتل کرو تو شہر
 حرام کے مساوات شہر حرام سے ہو جائیگی اور حرمت کی حرمت سے برابری
 و مساوات ہے کیونکہ مسلمانوں نے دونوں امر میں کراہت کی تھی کہ شہر حرام اور
 بیت الحرام میں مقاتلہ واقع ہونا برابر ہے تب اللہ پاک نے فرمایا کہ وَلَا تَقَارَنُوا
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يَقَارَنُوْكُمْ رِفِئَةً یعنی انکو مسجد حرام کے پاس قتل مت
 کرو جب تک وہ تمکو قتل نہ کریں اور اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ سے یہ منشا ہے

کہ انہوں نے بھی ملک و شہر حرام میں قتل کیا تھا تو حرمت میں مساوات ہوئی
 چاہئے یہ خلاصہ آیت کا تھا اور جو کچھ مجلو کتب فقہ اور تفاسیر سے معلوم ہوا
 وہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں بوجہ ضعف جماعت اہل اسلام آنحضرت صلی
 علیہ وسلم صرف تبلیغ احکام پر مامور تھے جیسا کہ اس قول الہی سے ظاہر ہے وَمَا عَلَيْكَ اَلَا
 اَلْبَلَاغُ اور قتال و جہاد کا آپ کو حکم نہ تھا بلکہ عنو کا حکم تھا جیسا کہ قولہ تعالیٰ
 فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا وغیرہ سے ثابت ہے اور انکو آیات عفو کہتے ہیں اور یہ
 تمام آیات غیر منقوضہ ہیں اور زاہدی میں ہے کہ اسطر کے قریب شتر آیتیں ہیں
 اور ایقان میں ہے ایک سو چوبیس آیتیں ہیں جو منسوخ ہو گئیں اس آیت سے قولہ
 تعالیٰ فَاِذَا نَسَخَ الْاَشْهُارَ الْحُرُمَ فَاتَّقُوا الْمَشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
 فی الجملہ واجب ہو گیا قتال شہر ہائے حرام کے علاوہ اور شہر ہائے حرام میں
 منسوخ رہا جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا قِتَالٌ فِیْہِمْ کِبٰرٌ و قولہ تعالیٰ الْاَشْهُارَ
 الْحُرُمَ اور نیز حل و حرم دونوں میں قتال واجب ہوا پھر شہر حرام کی ممانعت بھی
 منسوخ ہو گئی جیسے کہ اللہ پاک نے فرمایا (وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاقْتَةِ) پھر حل
 و حرم کی عام اجازت قتال بھی منسوخ ہو گئی اور خاص شرط کے ساتھ جائز رہی
 کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لَا تَقَاتِلُوْا اٰھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقَاتِلُوْکُمْ فِیْہِ
 پھر وہ تمام آیات قتال جسے قتال واجب ہوتا ہے آیت البراءۃ سے منسوخ
 ہو گئیں جیسا کہ فرمایا قولہ تعالیٰ حَتّٰی یُعْطُوْا الْحَرِیْۃَ یہ تو عموم مفعولیت قتال
 کی بابت تھا اس طرح عموم فاعلیت کے بابت ہوا جیسا کہ فرمایا ہے اللہ پاک نے
 لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَلَا عَلَی الْاَعْرَابِ حَرَجٌ وَلَا عَلَی الْمَرْیضِ حَرَجٌ اور اسکو

ہم مضمون دیگر آیات میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک آیت ایک حکم کے حیث سے
 دوسری آیت کے نسخ ہو اور دوسری حیثیت سے کسی دوسری آیت سے نسخ
 ہو اور سکو یا در کہنا چاہئے اکثر علماء اس باریکی سے غافل ہیں اور قول تعالیٰ
 فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِمْ مِثْلَ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ اگرچہ از روی
 نص کے یہ مسئلہ قتال سے متعلق ہے مگر اس کا حکم عام ہے ہر ظلم و ستم کو واسطے
 چنانچہ صاحب ہدایہ نے اسی پر تسک کیا ہے اور باب الغصب کے ابتدا میں لکھا ہے
 کہ جس کسی نے غصب کر لیا اور مغموبہ اس کے پاس ہلاک ہو گیا تو اس پر اس کا مثل
 رد کرنا واجب ہے اور مثل کی مراعات کرنا باعتبار جنس اور قیمت کے ضروری ہے
 از روی وجوب کے اور قول تعالیٰ وَأَقِمْ وَفَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ اغنیا اور مالدار
 ہو گونگو اس حکم سے مخاطب کیا ہے اور وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ سِرًّا یہ مدعا ہے کہ اپنے
 نفس کو ہلاکت میں مت ڈالو اور ان دونوں کا باہمی ربط اس طرح ہے کہ جب
 ارادہ فرمایا آنحضرت صلعم نے قضا عمرہ کا تو تمام صحابہؓ نے عرض کی سفر مکہ
 کے واسطے زادہ ہونی کی بابت اور اپنے فقر و بے سروسامانی کی کیفیت حضور
 سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کو سنائی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے مالدار و
 تم راہ خدا میں عازمان حج کو دو اور بخل کرنے سے اپنے کو ہلاکت میں مت
 ڈالو اور ان کے ساتھ احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست
 رکھتا ہے اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا الْجَنَّةُ قُرْبَىٰ مِنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَبَعِيدٌ مِنَ
الْجَنَّةِ وَقُرْبَىٰ إِلَى النَّارِ ایسے بخیل اللہ تعالیٰ سے اور جنت سے دور
 ہو جاتا ہے اور دوزخ سے قریب رہتا ہے یہ تمام تفسیر حسینی میں ہے اور اس

صورت سے سینوں آیتوں کا باہم ربط مناسب ہے اور لا تُلْقُوا سے یہ منشا ہے
 بھی یہاں کیا گیا ہے کہ یہ بھی بکرا سرف یعنی زیادتی سرف سے نفقہ میں یا نہیں ہو
 خفا سے یا ترک جہاد سے جیسا کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے
 اور اسکو منسخت کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے یا جہاد و قتالہ میں بغیر سلاح
 و ثیاب کے جانے سے ممانعت ہے جیسا کہ زامی میں بیان کیا ہے اور علماء میں
 اس طرح سے مشہور ہے کہ یہ عام سہلکات سے بچنے کے واسطے حکم ہے مثلاً پانی
 میں ڈوبنے یا آگ میں جلنے یا زہر کھانے یا کسی ہتھیار سے خودکشی کرنے یا دیگر
 ذرائع خودکشی سے جان ضائع کرنے کی بابت بخلاف شرائع سابقہ کے جیسا کہ حضرت
 موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی امت پر تو یہ کیواسطے خودکشی واجب تھی جیسے کہ

فَرَمَا اللَّهُ تَعَالَىٰ لَنْ تَقُتُّوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

عِنْدَ بَارِئِكُمْ اور اسی آیت سے تمک کیا ہے کہ جس قریب یا شہر میں دبار و طاعون

ہو اس میں نہ لگنا چاہئے اگرچہ ایسے مقامات سے جہاں دبار و طاعون ہو فرار

ہونا ممنوع ہے جیسا کہ اُسپر بہت سی آیات اور احادیث شاہد ہیں ہم انشاء اللہ

تعالیٰ اسی سورہ میں اُسکا مفصل بیان لکھینگے یہ سورہ بقرہ کے آخری احکام تھے

قتال کی بابت اب حج و عمرہ کے اتمام کے مسائل اور حج و عمرہ کے احصا

کا ذکر کیا جاتا ہے قولہ تعالیٰ وَارْتَمُوا فِي الْحُجَّةِ وَالْعُمْرَةِ لِلَّهِ فَإِنْ أُخْصِرْتُمْ

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَخْلِقُوا دُرُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ

أَوْ نَسِكَ تَرَحُّمَهُ أَوْ رُحْمَهُ أَوْ رُحْمَهُ أَوْ رُحْمَهُ أَوْ رُحْمَهُ أَوْ رُحْمَهُ

اَوْ نَسِكَ تَرَحُّمَهُ أَوْ رُحْمَهُ أَوْ رُحْمَهُ أَوْ رُحْمَهُ أَوْ رُحْمَهُ

کئے تو جو میرے قریبی بیٹے اور حجامت کر دے اس کی جتنی بھی حاجت چکے قربانی اپنی
 شہرکے پر پھر جو کوئی تم میں برحق ہو یا اسکو دکھ دیا ہو اس کے سرے تو بدلادیو
 تو یا روزه یا خیرات یا زکوٰۃ یا یہ آیت اتمام حج و عمرہ میں ہر اور اس کے احصار
 میں پس پہلا حکم تو یہ ہے کہ تمام کر حج و عمرہ کو اللہ کی واسطے کامل طور پر۔ حج میں
 تین مسرعت ہیں۔ ایک تو احرام باندھنا دوسرے عرفہ میں پھر تیسرے طواف
 زیارت کرنا۔ اور یہ چار امور واجب ہیں۔ اول تو مزدلفہ میں ٹھہرنا دوسرے درمیان
 صفا و مردہ کے سعی کرنا تیسرے رمی الجمار یعنی لٹکھینکنا چوتھے اناقی کو طواف
 رجوع کرنا اور حلق یعنی سر منڈوانا وغیرہ آداب سنت ہیں۔ اور عمرہ میں صرف دو روز
 ہیں اول طواف پھر سعی۔ اور اس کے شرط احرام اور حلق ہے اور اسکی طویل بحث
 فقہ میں ہے پس اگر یہ کہا جائے کہ حج تو تمہارے نزدیک فرض ہے اور عمرہ سنت ہے
 اور صیغہ امر (اتموا) کا دونوں کے وجوب کو ثابت کر رہا ہے تو حج و عمرہ دونوں کو
 واجب تسلیم کرنا چاہئے مثل مذہب امام شافعی علیہ الرحمۃ کے اور اگر بطریق سنت
 ہی تو دونوں کو سنت ماننا چاہئے جو تمام مذہب اسلامیہ کے برخلاف ہے میں کہتا
 ہوں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کو مندوب کر لیا جاوے جیسا کہ ابتداء اسلام میں تھا
 پھر حج کی فرضیت تو اس قول الہی سے ہوگی قوله تعالى وَاذْكُرْ آلِهَتَكُمُ
الَّتِي كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ اور عمرہ مثل سابق اپنی حالت پر
 سنت رہا جیسا کہ زہدی میں لکھا ہے یا یہ کہ واو اجتماعی حالت پر دلالت کرتی ہے یعنی
 حج جو فرض ہے اور عمرہ جو مندوب ہے دونوں تمام کر دو اور غالباً ہی معنی صاحب یہ
 کے نزدیک مستحسن ہے جیسا کہ مفصل ذکر اسکا باب قرآن میں ہے یا یہ کہ حج و عمرہ

اداکر حسین مشبہ کسل اور خصل اور فتور و نقصان کا ہوا اور وہ جامع ہو تمام شرائط
 دارکان کو مخصوص نیت سے اور بغیر شامل کئے کسی غرض و مینوی کے مثل ارادہ تجارت
 یا طلب زوجہ وغیرہ یا یہ کہ ذار ارادہ وچہ حلال سے ہوا اور یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ تمام
 کرنا امر واجب ہے اس طرح کہ جب کوئی نفل شروع کر دیا جاوے تو بعد شروع وہ
 واجب ہو جاتا ہے پس اسکا تمام کرنا داخل وجوب ہے جیسا کہ ذابہ ہی اور مدارک میں
 سند راجح ہے اور یہ بھی جواب ہے کہ اس امر سے مدعا حج و عمرہ کے شروط مفروضہ و
 احکام مکتوبہ کا پورا کرنا ہی اس واسطے کہ اگرچہ یہ سنت ہے مگر اس کے احکام فرض ہیں جیسے
 کہ نفل نماز میں قنات کلام اللہ فرض ہے باوجودیکہ وہ خود سلت یا نفل ہے اور یہ
 بھی جواب ہے کہ امر در حقیقت طلب ہے اور طلب حاوی ہے فرض و سنت دونوں کو تو
 وجود قرینہ سے اختلاف کر سکتے ہیں فرض و سنت میں چنانچہ اس امر کو جب متعلق
 کریں گے حج سے تو ثابت ہوگا واجب اور جب متعلق کریں گے عمرہ سے تو ثابت ہوگا سنون
 اور یہ سب سوال و جواب اس حالت میں ہو سکتے ہیں جبکہ لفظ عمرہ کو منصوب پر ہیں
 بحالت مفعولیت اور کثافت لکھا ہے کہ علی و ابن مسعود اور بھی نے لفظ عمرہ کو مرفوع
 پر لکھا ہے جس سے وہ امر (اتموا) کی تحت میں نہیں رہتا تو پھر کوئی بھی اعتراض نہیں ہو سکتا
 اب احصار کا بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم روکے جاؤ تو جو آسانی
 سے بہم پہنچے ہڈی وغیرہ سے بیٹے اگر تم اپنے مکان سے احرام باندھ کر حج اور
 عمرہ کیواسطے نکلے اور تم روکے گئے یہ سب خوف دشمن کے یا مرض کی وجہ سے اور
 تم نے ارادہ کیا احرام سے باہر نکلنے کا پس تمپر واجب ہے قربانی اور پیسچو اونٹ یا
 یا گائے یا بکری جو تم کو میر ہو اور احصار ہمارے نزدیک عام ہے خوف عدو و مرض وغیرہ

مگر امور کو جو مجبوری کے باعث ہیں اور امام شافعی اور امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک مخصوص ہی صرف خوف عدو سے اور ان کے قول کے تائید میں ایک تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کلام ہے کہ انہوں نے کہا (لَا حَصْرَ لِحَصْرِ الْعَدُوِّ) دوسرے قرینہ اس قول ہے کہ کافر یا یا فَإِذَا أَصْنَمْتُمْ بَعْدَ ذَلِكَ) یعنی جب تم کو امن ہو پس ان دونوں اقوال سے ان کے نزدیک ثابت ہوتا ہے کہ احصار محض خوف پر منحصر ہے مگر ہماری تمسک کیواسطے قول جناب رسالت مآب کافی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مَنْ كَسَرَ أَدْعَبَ بِهِ فَقَدْ حَلَّ فَعَلَيْهِ الْحُجَّةُ قَائِلٌ) یعنی جس شخص کو شکست لگے یا لنگی یعنی لنگڑا ہو جائے پیش آوی مطلب یہ کہ چلنے سے مجبور ہو یا اسکی تکمیل سے عاجز ہو تو احرام کہولہ سے اور آئندہ سال حج کرے اس سے ثابت ہوا کہ احصار محض خوف عدو پر منحصر نہیں اور وہ جو معنی آیت سے تمسک کیا گیا کہ بعد منہی ہوتا ہے یہ امر ضعیف ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ خوف عدو یا مرض وغیرہ امور مانعہ سے جب امن حاصل ہو تو لفظ امن بھی عام ہے تمام امور خوف کو اور صاحب ہدایہ نے لکھا کہ احصار مرض کیواسطے اور حصر خوف عدو میں جائز ہے اور نیز یہ آیت مرض کی بابت نازل ہوئی ہے اس پر جماع ہو گیا اہل لغت کا تو خلاصہ یہ ہو گا کہ احصار عام ہے خوف عدو و مرض کو اور حصر خاص ہے خوف عدو کو اگرچہ یہ دونوں لفظ عام مانعہ کے موقع پر استعمال کئے جاتے ہیں جیسا کہ صاحب کشاف نے لکھا اور ہمارے نزدیک صرف عمرہ میں بھی ہو سکتا ہے اور امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک عمرہ میں احصار نہیں ہو سکتا تو ہماری یہ دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عام حدیبیہ میں احصار کیا عمرہ کا ایسا ہی مذکور ہے ہدایہ میں اور صاحب مدارک نے کہا کہ نص ظاہر دلالت

کرتی ہو کہ عمر دین بھی احصار ہو سکتا ہے و قولہ تعلقہ ولا تحلفوا و کسم
اس سے ظاہر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احرام سے بحالت احصار خارج ہو جب تک
کہ قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے یعنی جب تک تکوین ہو کہ قربانی اپنے قربانگاہ
یعنی مناد رکھا گیا کہ مکہ کو پہنچ گئی جب اس کے پہنچنے کا اطمینان ہو جائے تب
احرام سے خارج ہوا اس کی ظاہر ہوا کہ مقام کی خصوصیت و شرط ہی قربانی کے پہنچنے
میں قربانے کی اور اون دونوں کے نزدیک بھی احصار حج سے خارج ہونے کو
تعیین یوم ذبح کی ضرورت ہے اور یہاں تعین یوم نہیں تو معلوم ہوا کہ عمرہ کی بابت ہے
اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ قربانی کو وہین ذبح کر لینا کافی ہے جہاں روکا
گیا ہو پہنچنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم عام حیدبہ میں اس کے گئے اور
عمرہ کو تو آپ نے وہین ذبح کیا قربانیکو اور مکہ نہ بھیجا تو وہ قربانگاہ کا مطلب یہ
لیتے ہیں کہ مقام احصار میں جہاں قربانی کیجا دے وہی اس کا محل ہے پھر جب ناکل
ہو جائے احصار تو ہمارے نزدیک واجب ہے حج اور عمرہ بطور قضا و حج کے کیونکہ
آیت نفی پر دلالت نہیں کرتی اور قَمِنَ کَانَ مِنْکُمْ قِیْضًا سے یہ دعا ہے کہ اگر کوئی تم
میں سے ایسا رخص ہو کہ اسکو سرمنڈ دانا ضرور ہو یا سر میں کوئی پھنسی پہوڑا زخم ہو یا
جوین پر جائیں تو تم پر افتخار جائے قربانی میں واجب نہیں سرمنڈانکی اجازت ہے مگر
حلق پر فدیہ جائز تھا تاہم چنانچہ فدیہ کی یوں تفسیر ہے اور بیان کیا کہ لا مِنْ صَبَاحٍ
اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُکٍ یعنی فدیہ کی تین صورتیں ہیں یا روزہ رکھے یا صدقہ دے
یا قربانی کرے۔ پھر حدیث جو کعب بن جحرہ سے مروی ہے وہ اسکی تشریح کرتی
ہے کہ صوم سے مراد تین روزہ اور صدقہ ہے چھ مسکین کو کھانا کھلانا اور قربانی

سے مراد ایک بکرے کا ذبح کرنا ہی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہو مفسرین نے اور
 اور اسی پر تسک کیا ہے صاحب ہدایہ نے تفصیل فدیہ میں اور فدیہ کی ہر شے
 مذکورہ صورتوں میں تجزیہ سے یعنی جو چاہے وہ فدیہ دے بخلاف حلق بلا عذر
 کے اُسین دم واجب ہو جاتا ہو اگر چہ تھائی سر کا بھی حلق کر لیا ہو اور اگر چہ تھائی
 سر سے کم ہو تو صدقہ دے جیسا کہ منفصل کتب فقہ میں ہر اور جمیدی شرح
 بر دوئی میں لکھا ہے کہ پہلے قربانی پھر صدقہ پھر روزے علی الترتیب واجب ہوئے
 میں بحالت حلق کرانے بلا عذر کے مگر اوس کی وجہ تحریر نہ کی اس کے بعد اللہ نے

تمتع کا بیان فرمایا قَوْلُهُ تَعَالَىٰ فَإِذَا أَصْنَعْتُم مِّنْهُ بِالنَّحْوِ إِلَى الْحَجَّةِ
 فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَرَى الْحَجَّ
 وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْكُمْ عَشْرَةَ كَامِلَةً ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرًا
 الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ترجمہ پھر
 جب تم کو خاطر جمع ہو تو جو کوئی لیوے عمدہ فائدہ ملا کر حج کے ساتھ جو تیسرے
 قربانی پہونچا دے پر جس کو پیدا نہ ہو تو روزے رکھے تین دن کی حج کے وقت میں
 اور ساتھ دن جب پھر کر جاؤ یہ پورے دس ہوئے یہ اسکے لئے ہیں جس کے گھر
 والے مسجد حرام پاس نہ رہتے ہوں اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ
 کا عذاب سخت ہے واضح ہو کہ حج و عمرہ کی تین صورتیں ہیں ایک بطریق
 افراد و سببی بطریق قرآن تیسری بطریق تمتع اب بطریق افراد یہ کہ احرام باندھی
 حج کا اور ادا کرے اسکے اعمال و افعال اب بطریق احرام باندھے عمرہ کا اور اسکے
 اعمال و افعال ادا کرے اور طریقہ دوم قرآن کا یہ ہے کہ ایک احرام دو نون کی

ادا کرنے کی نیت سے باندھے اور کہے بیک بختہ و عمرہ وغیرہ اور صرف حج کے اعمال ادا کرے اسکے نہیں میں عمرہ بھی ادا ہو جائیگا جیسے غسل کے ضمن میں وضو ہو جائے۔ کہا گیا کہ یہ امام شافعی کے نزدیک ہے اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ احرام تو دونوں کا ساتھ ہی باندھے مگر پہلے عمرہ کی نیت سے سات بار طواف بیت اللہ کا کرے پھر مسافر وہ میں سعی کرے پھر حج کے افعال شروع کرے تو طواف قدم سات بار بجائے پھر سعی کرے پھر جمع اعمال و افعال حج ادا کرے جیسا کہ فقہ میں لکھا ہے اور طریقہ تمتع کا یہ ہے کہ پہلے احرام باندھے عمرہ کا میقات سے اور داخل ہو کہ میں اور فارغ ہو اسکے اعمال سے پھر خارج ہو احرام سے اور فائدہ اونٹھائے ممنوعات سے پھر عین مکہ میں احرام باندھے حج کیواسطے یوم ترویہ کیلئے آٹھویں زلیحہ کو اور اس تاریخ سے احرام باندھنا افضل ہے اور ادا کرے اسکے تمام افعال اور یہ حکم اس شخص کیواسطے ہے جو قربانی نہ لاوے اور جو قربانی لاوے وہ احرام سے فارغ ہو اور احرام باندھے یوم ترویہ اہل مکہ کی طرح یہ تمام ہوئی کیفیت اقسام ثلاثہ کی۔ اب واضح ہو کہ طریقہ افراد کا امام شافعی کے نزدیک باقی دونوں طریقوں سے افضل ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک تمتع قرآن سے افضل ہے اور قرآن افراد سے ہمارے نزدیک قرآن افضل ہے افراد سے ایسا ہی بیان کیا ہے ہدایہ میں اور جو کہ ذکر کیا ہے تفسیر حسینی میں کہ عمرہ بطریق قرآن حج کے ضمن میں آجاتا ہے اور یہ کہ افراد کا طریقہ افضل ہے امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اور تمتع امام احمد کے نزدیک افضل ہے اور اُس میں ضرور احرام سے خارج ہونا پڑتا ہے پس یہ کلام مخالف ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں احکام

متنع بیان فرمائے قولہ تعالیٰ اَقَادَا اَوْفَنْتُمْ فَمَنْ شِئْتُمْ اس آیت سے بلا قید
 احصار کہ یہ مطلب ہو کہ جب تم حالت طہیّان اور دست میں ہو اور عمرہ کا فائدہ حج
 کے ساتھ ادا کرنا چاہتے ہو تو حج عمرہ کو قربتہ شہادہ کر دو تو واجب ہو قربانی جو آسانی سے
 بہم پہنچے خواہ شتر خواہ گائے خواہ بکری اس متنع کے شکر یہ من فرج کرو اور اس قربانی
 میں ہمارے نزدیک قربانی کر نیوالا کھایا نہیں سکتا اور یوم النحر یعنی نحر کے دن قربانی
 کرنا چاہئے لیکن یہ عید کی قربانی کا بدلہ یا اس سے سبکدوش کرنے والا نہیں ہے تو
 متنع کی قربانی ہو اور امام شافعی کے نزدیک متنع یعنی قربانی کر نیوالا اس میں سے کھانا
 نہیں سکتا اور اونکی نزدیک یہ بھی ہو کہ جب حج کا احرام باندھو تب فرج کرو ایسا بیضاوی
 اور کشاف سے پایا جاتا ہے یہ تو بدئی میسر آئے وقت میں احکام تھے لیکن اگر مہی یعنی
 قربانی نہ پہنچے تو اوپر دس روزی واجب ہیں تین روزی تو ایام حج میں یعنی درمیان
 حج و عمرہ کے اور سات روزے بعد فراغت حج کے جب اس سے فرصت پا کر چلے ہمارے
 نزدیک یہ حکم ہو اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ تین روزے ایام حج میں یعنی
 بعد احرام باندھنے کے حج کے تحمل سے پہلے اور سات روزی جب واپس آئے یعنی
 اپنی عیال کے پاس آجائے اور امام شافعی کے نزدیک تین روزے حج کے مہینے کے
 پہلے بھی ادا ہو سکتے ہیں احرام باندھنے کے قبل اور ہمارے نزدیک بجز حج کے مہینے کے
 وہ تین روزے ادا نہیں ہو سکتے اور افضل ہے کہ ساتویں آٹھویں اور نویں شہریٰ حج
 کو یہ تین روزی رکھے جائیں اور اگر یہ روزے فوت ہو جائیں تو قربانی ہو ہمارے نزدیک
 اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک قضاء مثل رمضان کے روزہ کے اور امام مالک
 کے نزدیک جائز ہو روزہ رکھنا روزہ نحر اور ایام تشریق میں کیونکہ اللہ پاک (ذی الحجہ)

فرمایا ہر جو عام ہو۔ ایام تشریق وغیرہ کو اور باقی سات روزے ہمارے نزدیک مکہ میں
 بھی ادا ہو سکتے ہیں (اسو اسطے کہ) اِذَا رَجَعْتُمْ سے یہ دعا ہے کہ جب تم فارغ ہو اور
 امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ہجر وطن کر دو کہیں ادا نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ رجوع
 کے معنی گھر پر واپس آنی لیتے ہیں پس ہم میں اور ائمہ میں دو امر کا اختلاف ہے اس
 مسئلہ میں ایک توفی الخ کے معنی میں دوسرے اِذَا رَجَعْتُمْ کے معنی میں۔ اور قولہ
تَعَالَى اِنَّكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ سے یہ منشاء ہے کہ مبادا لوگ خیال کریں کہ آخرین جو سات
 کا عدد فرمایا ہے تو کل سات روزہ ہو تو تین پہلے اور چار بعد کو یا سات کا عدد کثرت کے
 معنی میں بھی شامل ہوتا ہے تو اس سات سے کثرت خیال کر لیں اسو اسطے اللہ پاک نے
 فرمایا کہ یہ پورے دن ہو کر اور صاحب کثافات نے لکھا ہے کہ کامل سے مراد یہ ہے کہ یہ روزہ
 کی کے کمال بدلہ میں بھی کچھ نقص نہیں رہتا پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب یہ تین
 روزہ یا ایام حج میں قبل نحر ہو سکتے ہیں تو شرط اور جزا میں ترتیب نہیں رہے گی۔ کیونکہ
 فرض تو نحر کے دن ذبح کرنا ہے نحر کے دن پہلے ہی روزے رکھنا کیونکہ صحیح ہو گا جبکہ
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ لَمْ يَجِدْ اِلَهْدَىٰ فَعَلَيْهِ صَوْمٌ ثَلَاثَةٌ اَوْ اَكْرَمُ یعنی جبکہ قربانی پسر
 نہ ہو او پسر روزہ واجب ہوتے ہیں اسکا جواب میرے قیاس میں یہ ہو سکتا ہے کہ جسکو
 علم ہو پہلے کہ یوم نحر بدی میسر ہوگی وہ پہلے سے روزہ رکھے اور اسی بنا پر جب یہ روزہ
 فوت ہو جاتے ہیں تو پسر قربانی جبراً اور قہراً عندا شرع لازم آتی ہے اور امام ابو حنیفہؒ
 علیہ الرحمۃ فی قرآن میں تمتع کے احکام جاری کو ہیں جیسا کہ وقائع میں ذکر ہے اور صاحب
 ہدایہ نے بھی اشارہ کیا ہے کہ اونکے نزدیک قرآن بمعنی تمتع ہے اگرچہ نص تمتع کی بابت وارد
 ہوئی اور میسر نزدیک یہ بات ہے کہ اونکے خیال میں قرآن چونکہ اس سے افضل ہے اسو اسطے

انہوں نے تمتع کے احکام قرآن میں بھی جاری کئے ہیں اور قولہ تعالیٰ ذٰلِكَ يَتِمُّ
 بِحُكْمِ رَبِّكَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَئِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ اَمْرٌ مِّمَّا تَفْعَلُوْنَ لَكُنْتُمْ اَكْثَرُ فٰسِقِيْنَ
 نہو افاق ہو اسوجہ سے کہ جو شخص کہ یا میتقات کا رہنؤ والا ہو تو اسکو آسان ہو ممکن ہو
 کہ بطریقہ افراد عمرہ و حج دونوں کو ادا کر کے بخلاف افاق یعنی پردیسی کر اسواسطے اشدہ پاک
 نے اون افاق لوگوں کو رعایت سو قرآن و تمتع مباح فرمائے تو اس بیان سے یہ
 نتیجہ نکلا کہ تمتع مکان کہ معظمہ کیواسطے جائز نہیں کیونکہ ہم نے لفظ ذٰلِكَ سے جو اسم اشارہ ہو
 تمتع کو اشارہ کیا گردانا تو ان کے نزدیک یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ جس شخص کے عیال مسجد محرام کے
 پاس رہنؤ والے نہوں یعنی کہ اور میتقات کا رہنے والا نہو تو اس کے واسطے احکام یعنی
 قربانی یا روزی رکھنا لازم ہیں تو اس معنی سے ساکنان کہ میتقات کو بھی تمتع و قرآن جائز
 ہو گیا اور اُپر روزے یا قربانی واجب نہیں رہی۔ اور وہ عدم سکونت کہ میتقات
 کیواسطے استقدر بعد تحریر کرتے ہیں جب قدر مسافت قصر کیواسطے لازم ہو یعنی جو شخص کہ
 سے یا میتقات استقدر فاصلہ پر رہتا ہو چنانچہ فاصلہ کا سفر کر نیسے نماز میں قصر لازم ہو جاتا ہو
 اسکو افاق کہینگے اور اس کے واسطے تمتع میں ہدی یا روزی واجب ہیں اور جو اس فاصلہ
 کے اندر خواہ کہ معظمہ میں ہی رہتا ہو وہ بھی تمتع سے فائدہ اُٹھا سکتا ہو اور اُپر روزے
 اور ہدی واجب نہیں ہوتی اور مدایہ کے حواشی میں ہماری مجوزہ معنی کی تائید کرتے ہیں
 اور لکھتے ہیں کہ ذٰلِكَ سے تمتع اشارہ نہیں کیا مراد حق ہو اسوجہ سے کہ اگر ذٰلِكَ سے
 مراد احکام ہوتی تو بجائے ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ اَمْرٌ مِّمَّا تَفْعَلُوْنَ کے ذٰلِكَ عَلٰی مَن لَّمْ يَكُنْ ہوتا کیونکہ ہمیشہ
 وجوب کے موقع پر لفظ عَلٰی استعمال کیا جاتا ہو نہ لام اور امام مالک کے نزدیک اس
 سے مراد غیر ملکی ہو فقط اور طاؤس کے نزدیک اہل حل مراد ہو ایسا ہی ذکر کیا ہو بیضاوی میں

اور میں نے کوئی نص امام مالک کے مذہب میں اور طاووس کی فتنہ میں شمار الیہ کے بابت
 نہیں پائی کہ انکا کیا خیال ہو و اللہ اعلم اوسکے بعد اللہ پاک حج کے وقت کے اور شرائط
 اور مزدلفہ اور عرفہ میں لڑنے کے متعلق احکام بیان فرماتا ہے کہ قولہ تعالیٰ اَلْحَجُّ اشْهُرٌ
 مَعْلُومٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَ الْحَجَّ فَلَا رَفْعَ وَلَا فُسُوْقٌ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَكَاتِفَعَلُوا
 مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللّٰهُ وَتَزُوْدُ وَاِنْ خَيْرٌ اِلَّا رَاٰ التَّقْوٰى فَمَا تَقُوْنَ يَا اُولٰٓئِكَ اَلَا بٰر
 كٌ لَكُمْ عَلٰى مَا جَآءَ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
 عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ وَاَنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لِسَنِ الصّٰلِحِيْنَ
 ثُمَّ اَفِضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ حج کے مہینے میں معلوم پھر جسے لازم کر لیا اور میں حج تو بے پردہ نہیں ہونا
 عورتوں سے نہ گنہ کرنا نہ جھگڑ کرنا حج میں اور جو کچھ تم نیکی کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہوگی
 اور خرچ راہ لیا کر وہ خرچ راہ میں بہتر نہ گنہ سے بچنا اور مجھ سے دُرتے رہو اسے عقلمند و
 کچھ گنہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو اپنے رب کا فضل پھر جب طواف کر کے چلو عرفات کو
 تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر احرام کے اور اوسکو یاد کرو جس طرح تم کو سکھایا اور تم تھے
 اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے پھر طواف کو چلو جہاں سے سب لوگ چلیں اور گھسے
 بخشواؤ اللہ سے اللہ بخشنے والا مہربان ہے واضح ہو کہ ان آیات میں اوقات
 حج اور اس کے ممنوعات اور عرفہ اور مزدلفہ میں لڑنے کا بیان ہے اوقات حج تو اس سے
 معلوم ہوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْحَجُّ اشْهُرٌ مَعْلُومٌ اِیہاں لفظ زمانہ کا جو
 مضاف ہے محذوف ہے ایسے زمانہ حج چند مہینے مشہورہ میں یعنی ماہ شوال و ذیقعدہ و
 عشرہ ذی الحجہ ہمارے نزدیک اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نوروز ابتدائی

ذی الحجہ کے اور شب دہم ذی الحجہ کی اور وہم ذی الحجہ سے عیدہ کا روز ان کے نزدیک اوقات حج میں داخل نہیں ہر اور امام مالک کے نزدیک کمال مہینہ ذی الحجہ کا اوقات حج میں داخل ہر اختلافات کی یہ وجہ ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک وقت سے مراد احرام کا وقت ہے تو یوم نحر او مین شامل نہیں ہو سکتا اور امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک وقت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں ہجرت اعمال حج اور کوئی عمل مستحسن نہ ہو اس وجہ سے عمرہ ان کے نزدیک باقی ایام ذی الحجہ میں مکروہ ہے اور ہمارے نزدیک وقت حج سے وہ وقت مقصود ہے جس میں حج کے اعمال و مناسک ادا ہوں ایسا ہی بیضاوی میں ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ حج کا وقت متعین ہو گیا تو اس کے پہلے احرام جو اسکی شرط ہے کیونکر جائز ہوگا اسکا یہ جواب ہے کہ احرام اعمال حج سے اس طرح خارج ہے جس طرح نیت نماز سے خارج ہے تو جب اسکو خارج اعمال حج تسلیم کر لیا تو قبل از وقت مہینہ اسکی آغاز میں کیا نقصان لاحق ہو سکتا ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ پاک نے (اَشْهُمُ) لفظ جمع کا فرمایا ہے چاہئے تھا کہ فرماتا دو مہینہ اور دس روز اول ذی الحجہ کے تو اسکا یہ جواب ہے کہ اول تو بعض کل کا قائم مقام ہو سکتا ہے دوسرے تین پر یا دوسے زیادہ پر جمع کا صادق آنا کوئی امر منصوص اور یقینی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ ایک سے زیادہ پر بھی جمع کا استعمال کیا جائے جیسے اللہ پاک نے فرمایا (فَقَدْ ضَعْتُمْ لَكُمْ) قلب کی جمع قلوب کا استعمال فرمایا! وجودیکہ (لَكُمْ) ضمیر تشبیہ ہے جسکے طرف لفظ قلوب مضاف کیا گیا ہے اور ہدایہ میں ہے کہ ما مانے حج شوال و ذیقعدہ و عشرہ اول ذی الحجہ میں اور حسنہ عاشر ذی الحجہ کے گزرنے پر حج فوت ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اگر وقت باقی رہتا تو فوت ہونا کیونکر ممکن تھا اسلئے (اَشْهُمُ مَعْلُوحَات) سے مراد دو مہینہ دس یوم ہی ہو سکتا

ہیں یہ پورا ہینہ ماہ ذی الحجہ کا و قولہ تعالیٰ اَمْسِلْ فَرِحَ فِيمُنَ الْاِجْمَاعِ فَلَا رَفَثَ
وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْاِجْمَاعِ یعنی جس شخص نے اپنے اوپر ان ایام میں حج کرنا لازم
کر لیا تو اسکو چاہئے کہ حج میں رَفَثَ اور فُسُوقَ اور جِدَالَ نہ کرے رَفَثَ سے مراد
عورتوں سے جماع کرنا یا جماع کی باتیں یا بخش باتیں کرنا اور فُسُوقَ سے مراد وہ
گناہ ہے جس سے شرع کی حد سے خارج ہو جائے یا فُسُوقَ سے مراد مسلمانوں کو بد لفظا
والقاب سے مخاطب کرنا اور جِدَالَ سے مراد جھگڑا ہی خواہ رفیقوں سے ہو یا
خادموں سے یا مشرکوں سے کیونکہ مشرک لوگ تقدیم و تاخیر وغیرہ میں جھگڑے کیا
کرتے تھے ہماری نزدیک تو احرام اور تبیہ اور نیت سے مشرعویت ہو جاتی ہے
اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک صرف احرام سے۔ اور جبکہ رَفَثَ سے مراد
جماع یا ذکر جماع یا کلام فاحش ہے تو نکاح حُرْمٌ و محرمہ میں کوئی ہرج نہیں صرف جماع
ہونا چاہئے چنانچہ جائز گردانا ہے فقہانے نکاح کو اور اللہ تعالیٰ ذو جلالا وافیہ سے
رَفَثَ وغیرہ کا ذکر کیا ہے یہ معنی نہیں کے ہے بلکہ نہیں سے بھی زیادہ سوگند ہو گیا ہے چنانچہ
مفسرین نے اس پر اتفاق کیا ہے اور ہر سہ امور ممنوعہ کا ایک حکم خیال کیا ہے مگر صاحب
ہدایہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ جماع حلال ہوتا ہے طواف زیارت سے فارغ ہو جا
پر ایام نحر میں اور باقی محتاج طواف زیارت نہیں ہیں بلکہ حلال ہوتے جاتے ہیں بعد
ذبیحہ عید کے خواہ طواف کر لیا ہو خواہ کیا ہو اور اللہ تعالیٰ جو فرمایا کہ وَاتَّقُوا
مِنْ خَيْرِ يَوْمٍ عَلَّمَ اللّٰهُ بِعَلَمِهِ یعنی جو تم نیکی کرو گے یا کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے
نیکی اعمال کی ترغیب اور آمادگی کی واسطے فرمایا کہ تم لوگ ممنوعات سے جو ذکر کئے
گئے ان سے بچو اور نیکی کام کرو کیونکہ اللہ پاک تمہاری نیکی کو خوب جانتا ہے

اور چونکہ اہل بین الاکر بل ازاد راہ کے مضحج کرتے تھے اور ان پر فقہان معاش کی وجہ سے
شدت و تکلیف ہوتی تھی تو وہ مجبور ہو کر اہل مکہ سے سوال کیا کرتے تھے جس سے لوگوں کو
ملال پہنچتا تھا اس واسطے اللہ پاک نے فرمایا تَذَوُّدًا یعنی اپنے گھر سے زاد راہ لیکر چلو
تاکہ تمکو سوال کی نوبت نہ آئے يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيۤنَ اٰتَوۡاۤلۡ زَكَٰوٰتَ لَا تَخۡفِیۡوۡاۤلۡ زَكَٰوٰتَہَا سے چھپنا
اور آدمیوں کو بیچ پہنچانے سے پرہیز کرنا یہ عمدہ زادہری یا زاد راہ کو آخرت کا برائیوں
اور ممنوعات سے بچنے میں کہ وہ خیر الزادہری اور چونکہ لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ جو لوگ
حج کو آتے ہیں اور تجارت بھی کرتے ہیں تو وہ حاجی نہیں ہو سکتے اور انکو حج کا ثواب
نہیں ملیگا تو اللہ پاک نے فرمایا کہ لَیْسَ عَلَیْکُمۡ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَعۡلًا مِّنۡ سَرِّہِمْ

یعنی پتھر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنے خدا کے فضل سے فائدہ اوٹھاؤ یا اپنے رب کی عطا
کی طلب کرو اس سے ناسات ہو کہ حج کی راہ میں تجارت وغیرہ یا کسب معاش کا کوئی
شغل ہو جائز ہے اور کثافت میں ہو کہ جب تک عبادت میں مشغول ہو جائز ہے اس کا

بیان آئندہ سورۃ الحج میں بھی آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ وقولہ تعالیٰ یَاۤ اَيُّهَا الَّذِیۤنَ اٰتَوۡاۤلۡ زَكَٰوٰتَ لَا تَخۡفِیۡوۡاۤلۡ زَكَٰوٰتَہَا

عَمَّا فَحِطَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ عِنۡدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ افاضت کے معنی ہیں پانی کا کثرت سے گرنا
یا ٹھہرنا اور افاضت کا مفعول لفظ الفس محذوف ہے تو اب یہ معنی ہونگے کہ جب پھیرو تم

اپنے نفسوں کو عرفات سے عرفات جمع ہے عرفہ کی اسکا نام عرفہ اسوجہ سے ہوا کہ یہ وضع ہوا
تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واسطے جب انھوں نے دیکھا پہچان لیا اسلئے اسکو

عرفہ کہا گیا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حواء دونوں یہاں ملے اور ایک کو دوسرے نے

پہچان لیا یا یہ کہ یہاں آدمیوں میں باہم تعارف ہو جاتا ہے اور مشعر الحرام ایک پہاڑی ہے

جس پر امام ٹھہرا ہوتا ہے اور منہ و لہجہ اجتماع سے وضع کیا گیا ہے اسلئے کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام

اور جو آدو نوں جمع ہوئے یا وہاں درمیان دو نمازوں کے جمع ہوتے ہیں یا وہاں لوگ
 قریب جمع ہوتے ہیں تو اللہ پاک نے ہر کو حکم دیا اپنے ذکر کا مشعر الحرام کے پاس
 عرفہ سے چلنے کے بعد تو اس کے ضمن میں یہ بھی نتیجہ نکلا کہ عرفہ میں ٹھہرنا واجب ہے کیونکہ
 بغیر ٹھہرے وہاں سے روانگی کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور ذکر سے مراد تکبیر اور تہلیل
 اور تلبیہ تکبیر تو اللہ اکبر کہنا اور تہلیل لا الہ الا اللہ کہنا اور تلبیہ لبیک کہنا اور نماز و دعا اور عشا
 کی نمازین ہیں اور زہدی میں ہے کہ یہی سنے قرین قیاس ہیں کیونکہ محض ذکر زبان سے
 کرنا دوسرے مقام سے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا وَ اذْکُرْ مَا کُنَّا بِکُمْ
 اور پہلے سے مراد مذلفہ میں ٹھہرنا معلوم ہوتا ہے اور وہ واجب ہے ہمارے نزدیک
 اور رکن نہیں ہے اگر ترک ہو جائے بلا عذر تو قربانی لازم آتی ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ
 کے نزدیک وہ رکن ہے عملاً کیونکہ فَاذْکُرْ مَا کُنَّا بِکُمْ جیسے آیات سے رکنیت ثابت ہوتی ہے
 اور ہم نے اس وقوف کو اس طرح واجب جانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 فرمایا کہ جو شخص ہمارے ساتھ ہو اس موقف میں ٹھہرے اور اس سے پہلے چلتے کھتے
 عرفات سے تو تمام ہوئی حجت اسکی ساتھ متعلق ہونے پر تو اس بات سے وجوب پایا
 جاتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ذکر ہے اور طریقہ یہ ہے کہ ذی الحجہ کی آٹھویں کی صبح کو مکہ سے منیٰ میں
 جاوے نوین کی فجر تک وہاں ٹھہرے پھر اوسیدن عرفات میں آوے جیسا کہ قیاب
 ڈھلے امام دو خطبہ مثل حمید کے پڑھے اور ظہر کے وقت ظہر اور عصر دونوں ساتھ ہی
 پڑھے اور غروب تک وہاں ٹھہر رہے وہ تمام موقف ہے سوائے اُطن عرفہ کے وہاں سے
 مذلفہ میں آوے اور جبل قریح کے پاس اور ترک عشا کے وقت نماز مغرب و عشا کی ساتھ
 ہی پڑھے اور فجر کی نماز اندھیری صبح میں پڑھ کر ٹھہر رہے وہ بھی سب موقف ہے

سوائے وادیِ محشر کے پھر فجر کی روشنی میں منائیں اور بعض وادی سے پھر سات بار
جمہرہ عقبہ میں کنکر پھینکے ہر ایک میں یکیر کے پھر چاہے دُج کرے ہاں مناروائے یا کتروائے
پھر طواف زیارت کرے ایامِ نحر میں پھر منائیں اگر تین روز ٹھہرے دوسرے دن نحر کے
زوال کے بعد کنکریاں پھینکے سات سات بار شروع کرے بسو خیف سے پھر اوسکے
نزدیک سے پھر عقبہ سے پھر دودن اسبیطح ادا کرے پھر مکہ کو آوے اس سے زیادہ تسبیح
کتاب فقہ میں یہ بیان ہے بقدر کافی ہو اور قولہ تعالیٰ ثُمَّ آفِئْتُوْا یہ خطابِ اہلِ تریث
کو ہے کہ چلو عرفہ سے نہ مزدلفہ سے اور یہ اسلئے اُنکو مخاطب کیا ہے کہ وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے
تھے اور تمام آدمی عرفات میں اور وہ وہاں مزدلفہ میں ٹھہرنا اپنا نشان اور وجہ
امتیاز خیال کرتے تھے اور مزدلفہ سے رجوع کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ تمام
مزدلفہ سے منا آئیوا لون کو مخاطب کیا ہے اور بعض نے کہا کہ لفظ ناس بالکسر ہے
جس سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں یعنی چلو عرفات سے کہ جبطح چلتے تھے
حضرت آدم علیہ السلام اس سے یہ مطلب نکلا کہ یہ قدیم طریقہ ہے اسکو مت ترک کرو پھر
اللہ پاک نے بعد آیات فاصلہ کے فرمایا قولہ تعالیٰ وَادْكُمُ اللّٰهُ خِثَآبًاۙ

مَعْدُوْدًاۙ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِۚ لِيُنۢبِئَ الَّذِيْنَ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ط ترجمہ اور یاد کرو اللہ کو کئی دن گنتی کے
پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دودن میں اوسپر کچھ گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا اوسپر
کچھ گناہ نہیں جو کوئی کہڑتا رہے اللہ سے اور تم ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ
تم اوسیکے پاس جمع ہو گے صاحبِ مدارک وغیرہ نے ذکر کیا کہ ایامِ معدودات سے
مراد ایامِ تشریق ہیں اور زاہدی میں ہے کہ یوم النحر اور ایامِ تشریق مراد ہیں اور ایام

سعد و دات سے مراد عشرہ ذی الحجہ کی الجملہ ذکر اللہ کا اُن دنوں میں تکبیر کہنا ہی ہر نماز کے بعد اور حجاز کے وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ ذکر اللہ انہیں تکبیر ہے بعد ہر نماز کے یہ واجب ہے اور اس شخص پر جسے جماعت سے عرفہ میں صبح کی نماز ادا کی عید کی عصر کی نماز تک اونکے نزدیک اور ایام تشریق کے آخری دن کے عصر تک دن دو دنوں کے نزدیک اور اسی پر عمل ہے پس یہ امر واجب کے واسطے ہے اگرچہ ہوئے نحر کے دن اپنی ادائیگی رومی حیرہ کے وقت اور رومی الجمار تیسرا اسکے بعد تین دن ہیں وہ اگرچہ واجب ہوں مگر تکبیر بر رومی پر سنت ہے تو یہ امر استحب کا ہو جائیگا نہ وجوب کا اور زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جو کوئی بوجہ عجلت واپسی کے تیسرے روز تک بعد نحر کے نہیں ٹھہرتا تو اسکو عرب اثم سے منسوب کرتے تھے اور بعض دو روز سے زیادہ ٹھہرنے والوں کو یہ تہمت اثم منسوب کرتے تھے تو اللہ پاک نے فرمایا کہ جو کوئی بوجہ عجلت دو روز سے زیادہ تیسرے روز کے رومی حجاز تک نہ ٹھہرے تو اوپر کوئی گناہ نہیں اور جو کوئی بعد نحر تین روز ٹھہرے اور تیسرے روز بھی رومی حجاز کرے تو اوپر بھی کوئی گناہ نہیں اور سرفٹ اور فسوت اور جدال سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور یہ فرمانا اللہ پاک کا اونکے گمان کے رفع کرنے کو ہے ورنہ تاخیر کرنا یا لاتفاق مستحب ہے البتہ جائز ہے کہ نہ ٹھہرے تو افضل و مفصل میں تاخیر کرنا متصور ہوگا جیسے مسافر روزے اور افطار میں تاخیر کا حجاز ہے اگرچہ روزہ افضل ہے افطار سے اور اسی پر تمسک کیا صاحب ہدایہ نے اور کہا کہ جب کو ضرورت ہو چلا جاوے اور جب کو ضرورت نہ ہو چوتھے روز تک تیسرا رومی الجمار کرے اور افضل یہ ہے کہ ٹھہرے اور رومی الجمار سوم کرے اس واسطے کہ نبی علیہ السلام ٹھہرے اور تیسرا رومی الجمار کیا چوتھے روز اور ذکر کیا کہ امام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہی کہ چوتھے روز چائے بغیر رمی الجمار کے قبل طلوع فجر اور اگر فجر ہو جائے تو بغیر رمی الجمار کے چلنا ناجائز نہی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہی اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھے روز قبل زوال بھی رمی الجمار کرنا جائز نہی اور اون دونوں کے نزدیک بغیر زوال کے جائز نہیں یہ تمہدنا مسائل حج کا مسئلہ شراب اور جوئے وغیرہ کی حرمت میں قولہ تعالیٰ

وَسَيَسْأَلُكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِتْخَا كِبِيرٌ وَمَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَإِنَّهَا كَبِيرٌ مِّنْ

نَفْعِهَا وَيَسْأَلُكَ نَافِعٌ مَّا ذَا يَنْفَعُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلِ إِصْلَاحُهُ لَكُمْ خَيْرٌ

وَأَن تَحَاِلُّوهُمْ فَإِذَا نُكِّلَ اللَّهُ بِعِلْمِ الْفُسْدِ مِنَ الْمُصْلِحِ ط وَكُشَاءُ اللَّهِ لَا عَسْتَكُم

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ بِحُكْمِهِ ط ترجمہ اور سوال کرتے ہیں تجھ سے شراب اور جوئے کا کہہ دے

ان دونوں میں بڑا گناہ ہی اور آدمیوں کے لئے فائدہ ہی اور گناہ ان دونوں کا بڑا ہی

دونوں کے فائدے سے اور سوال کرتے ہیں تجھ سے کہ کیا نفقہ دین کہہ دے کہ عفو اس طرح

ظاہر کرتا ہی اللہ تمہارے لئے نشانیاں تاکہ تم فکر و دنیا اور آخرت کا اور سوال

کرتے ہیں تجھ سے یتیموں کی بابت کہہ دے ان کے لئے اصلاح بہتر نہی اور اگر تم ملو

ان سے تو وہ بھائی تمہارے ہیں اور اللہ مفسد اور مصلح کو بیچتا ہی اور اگر

چاہے اللہ تو تم کو مملکت میں ڈال دے تحقیق اللہ عزیز اور حکیم ہی واضح ہو کہ

ان آیات میں چند مسائل ہیں پہلے ذکر شراب و جوئے کا ہی پس شراب کا یہ قصہ ہی

کہ جب نازل ہوئی یہ آیت وَفِي ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ

سَكَرًا وَسِرًا قَاحًا سَاطِئًا أَوْ قُوتًا سَلَامًا لوگ شراب پیتے تھے اور ان کو حلال

اور مباح تھی پھر ایک زمانہ گزرنے پر حضرت عمرؓ اور چند صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم آپ شراب کو منع فرماؤں کیونکہ عیقل کھوتی ہو اور مال کو ضائع کرتی ہو تب یہ آیت نازل ہوئی **قُلْ فِيهَا اَنْتُمْ كَثِيرٌ وَمَنْ اَفْعَلُ لِلنَّاسِ تَوْبَةً** یعنی جو نوشی ترک کر دی اور بعض نے بدستور شراب خواری جاری رکھی اس حالت میں بھی ایک زمانہ گزرا تا آنکہ عبد الرحمن بن عوف اور چند صحابہ نے جو نوشی کی اور برائے نماز کھڑے ہوئے تو اس طرح قرأت جاری کی **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اَعْبُدُوا مَا لَكُمْ مِنْ دُونِىَ** بجا آئے **اَعْبُدُوا** کے صرف **اَعْبُدُوا** کہا (واضح ہو کہ **اَعْبُدُوا** کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ہم مثل تمہارے او کافر و بتوں کی پرستش نہیں کرتے اور یہ حذف کرنے سے یہ معنی ہو گئے کہ ہم بھی مثل تمہارے بتوں کی پرستش کرتے ہیں) تب یہ فرمان الہی نازل ہوا **اَلَا تَتَذَكَّرُ بِالْضَّلٰوٰةِ وَاَنْتُمْ سَكَرٰى** جب اس پر بھی زمانہ گزرا تو ایک روز عثمان بن مالک نے ایک گروہ مسلمین کی دعوت کی اور اس مجمع میں خوب جو نوشی ہوئی جب لوگ مست ہوئے تو باہم لڑنے جھگڑنے لگے اور زرد و کوب ہوئی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اے الہی ہمارے واسطے شراب کے شعلے بیان شافی نازل فرما تب یہ آیت نازل ہوئی **قُلْ لِّعَالٰى اِنَّا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ هَلْ اَنْتُمْ مُنْتَحَوْنَ** تب یہ آیت سورہ مائدہ میں ہو اور اس سے قطعی حرمت ثابت ہوئی سبحان اللہ کیا شان الطاف الہی ہو کہ جس چیز کے وہ لوگ عادی تھے اوسکو ایک لخت ممنوع نہیں فرمایا بلکہ رفتہ رفتہ ممانعت کے احکام صادر فرمائے جس سے بندگان کو اوسکا ترک کرنا موجب اذیت و دشواری نہ ہو اخلاص یہ کہ پہلے شراب بالکل حلال تھی پھر اوسکو گناہ میں شامل کیا گیا پھر اوسکو نماز کے اوقات میں حرام کر دیا

پھر اس کا حرام مطلق فرمادیا تو اس آیت سے جب کو ہم بیان کر رہے ہیں صرف اس کا
گناہ ہوتا ثابت ہوتا ہے اور حرمت قطعاً اس کی آیت مائدہ سے ثابت ہے اب اگر
کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب خمر کو یہاں موجب گناہ ظاہر کر دیا تو آیت مائدہ میں
اظہار حرمت کی کیا ضرورت تھی اس واسطے کہ جو چیز گناہ ہے وہ ضرور حرام ہے
اس کا یہ جواب ہے کہ پہلے خمر حلال تھی اس کا موجب گناہ ہونا بسبب زیادتی کے ہو یا بسبب
نقصان مال اور زوال عقل اور ضائع ہونے وقت اور فوت ہونے نماز کے ہو تو
یہ مالعت عارضی ہوگی نہ حقیقی اس واسطے قطعاً حرمت کے حکم کی حاجت تھی اگر یہ
اعتراض کیا جائے کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ خمر میں منافع ہیں آدمیوں کے واسطے تو
ممکن ہے مرصیون کے واسطے موجب شفا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا کہ جس چیز کو اللہ پاک نے حرام کر دیا اس میں شفا نہیں دو و نون
کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں اس کا یہ جواب ہے کہ جب تک خمر گناہ میں شامل تھی اور طبعی حرام
نہ تھی تب تک اس میں منافع مثل شفا میرض وغیرہ تھی جب حرام مطلق ہو گئی تو اس کے
منافع اور شفا بھی سوخت ہو گئے۔ خمر انگور کا شیرہ ہے جو بڑا یا جاتا ہے کہ اوپر جھاگ
وغیرہ آئین اور نشہ کرنے لگے یہ تقریباً خمر کی ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ
کے نزدیک ہر ایک شیرہ خواہ انگور کا ہو خواہ چھواری کا جو مسکر ہو خمر ہے کیونکہ وہ عقل
کھوتا ہے یہ بڑی بحث ہے اس کا مفصل ذکر سورہ مائدہ میں انشاء اللہ کیا جائیگا۔ اب
میں نے اس کی حقیقت بیان کی جاتی ہے کہ عرب میں جوئے کا یہ دستور تھا کہ دس قطعہ پاسہ کے
تھے سات پر خطوط تھے اور ان میں سے ہر ایک پاسہ ایک مقدار قیمت کو معین تھا اور تین
پاسہ خالی تھے اون دسوں کو ایک تختی میں ڈالتے تھے اور ایک معتبر آدمی ہر ایک کے

نام سے ایک پاس کھاتا جو پاس برآمد ہوتا اسکی تعداد کے موافق زر مجموعہ سے وہ شخص
 لے لیتا اور جسکے نام پر خالی نکلتا وہ محروم رہتا تا جب کھیل چکے تو جو کچھ روپیہ جیتتا ہوا
 ہوتا وہ کل فقر کو دیدیتے کوئی اپنے گھر یا اپنے کام میں نہ لاتا یعنی صرف نہ کرتا اور
 کسی چیز پر فخر کرتے تھے اور جو ایسے شامل نہ ہوتا اسکو بڑا جانتے یہ بیان منقطع
 ہے جب احب ہمارے نکشاف سے نقل کیا یہ طریقہ قمار بازی کا عرب میں تھا پس اسکے
 تحت میں نرد اور شطرنج وغیرہ بھی داخل ہیں جو ان میں قمار بازی ہو اور اگر صرف ایک طرف
 طرف سے دیا جانا کسی رقم کا مقرر ہو تو وہ قمار نہیں اسکی اجازت ہی پس وہ چیز کہ جماعاً
 حرام ہو وہ نرد بازی ہی اور جس میں اختلاف ہو اباحت و حرمت میں وہ شطرنج ہے
 اسکا منقطع ذکر سورہ مائدہ میں آئیگا پس اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ ہمیں منافع ہیں اور
 گناہ ہی تو گناہ قمار کا یہ ہی کہ اس سے نماز فوت ہوتی ہو مال ضائع ہوتا ہو وقت رائگان
 جانا ہو اور شراب میں زوال عقل مع دیگر نقصانات کے ظاہر ہو چنانچہ لختل ہو حضرت
 جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے کہ انھوں نے کہا میں نے شراب کبھی نہیں پی کیونکہ وہ عقل
 زائل کرتی ہے اور میں نے کبھی بتوں کو نہیں پوچھا کیونکہ وہ نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے
 اور میں نے کبھی زنا نہیں کیا کہ غیرت کے خلاف ہے اور میں نے جموٹ نہیں بولا کیونکہ
 کا ذہن کو ذلیل اور خوار پایا اور منافع خمر جسمانی تو مثل مہضم طعام ہیں اور اخلاقی
 مثل زیادتی تواضع وغیرہ کے اور مالی مثل نفع بیع و شرا کے ہیں اور قمار بازی کا
 نفع مثل امداد غربا اور حصول مال بلا مشقت و محنت وغیرہ متصور ہو سکتے ہیں پس اُنکے
 کل منافع سے اُنکے اثم زیادہ اور کبیر ہیں اور فواحش و مضار سے خالی نہیں اور بعض نے
 معنی آیت میں کہا ہے کہ ارتکاب و ترک میں دو ٹونکے دو چیزیں ہیں گناہ کبیر و منافع

پس گناہ ان دونوں کے ارتکاب میں برابر مشافعت کے نزدیک ہے یہ قول باطل ضعیف
 وناکارہ ہے ہر مائل اسکے ضعف کو سمجھ سکتا ہے قولہ لغالی ویشلونائے مساذا
 یثقیون قل العفو اسکا یہ بیان ہے کہ عمر بن الجوح نے سوال کیا کہ کیا خیرات کریں
 تو اس کے جواب میں نازل ہوا کہ ان لوگوں کو دوسراحت کے ساتھ اور کیفیتاً درود
 اجمالی طریقہ پر ممانا جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے قولہ لغالی قل ما انفق

من خیر فللہ الدین ولا کفر بین والیتی وائسا لکین وابتین السبیل یہ اس
 غرض سے فرمایا کہ نسبت مقدار صدقہ کے مصرف کا ظاہر کرنا زیادہ ضروری امر تھا
 یا یہ کہ سائل نے دونوں امر کو دریافت کیا تھا کہ کس قدر دین اور کن لوگوں کو دین
 اس لئے دونوں امر ظاہر کئے گئے مگر امر لغتاً و صدقہ مفصل نہ تھا تو دوبارہ
 سوال ہوا اور اس کے جواب میں فرمادیا گیا کہ عفو یعنی جو روپیہ مصارف ضروری
 سے زائد ہو مطلب یہ نکلا کہ جو روپیہ تمہارے مصارف اور حاجات سے بچے
 وہ اس طرح تقسیم کرو جیسا کہ ترتیب وار بتا دیا گیا ہے اور ایسا صدقہ نذر کہ خود محتاج
 رہ جاؤ تو ابتداء اسلام میں ضرورت سے زیادہ صدقہ کو دیدینا فرض تھا مگر
 پھر وہ آیت زکوٰۃ سے منسوخ ہو گیا اور صدقہ کے واسطے عشر کی چوتھائی قرار پائی
 یہی سببی میں ہے اور یہی زائد ہی اور مدارک میں اور کثافات اور بیضاوی نے عفو
 کی یہ تفسیر کی ہے کہ جو آسان ہو یعنی جس قدر صدقہ دینا تمکو آسان معلوم ہو اگر ان نگذریں
 اور صدقہ دو اور یہ جو اللہ پاک نے فرمایا کہ اس سطح اللہ ظاہر کرتا ہے تمہارے
 واسطے آیات تاکہ تم سوچو بدعا یہ ہے کہ تم اپنے نفع اور نقصان اصلاح و ضرر کو سوچو اور
 اور حرام چیزوں سے جو کم و نقصان رسان ہیں بچو اور حلال اور عمدہ چیزیں جو تم کو

نائد بخشی نہیں اختیار کر دیا ان حرام و حلال ہشیاد کے نفع و نقصان سے عاقبت کے عذاب و ثواب کا اندازہ کرو اب یتیمی کے متعلق کیفیت ہو کر جب یہ آیت

نازل ہوئی کہ قوله تعالى لا تشعروا باليتيم وقوله تعالى ان الذين

ياكلون اموال اليتيم ظالما تو اولیائے یتیمی نے اپنے جو لوگ یتیموں کی حفاظت

و نگہداشت کرتے تھے انھوں نے یتیموں سے دست برداری کی اور ان کے اموال کو

ترک کر دیا اور ان سے ملنا جلنا بھی چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ کھائے اور ایک فرس

بیٹھے سے پرہیز کرنے لگے اور بہت معتب سے پیش آنے لگے لوگوں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کو اس کی خبر دی تب یہ آیت ازل ہوئی قل اصلاح

لکم خیرکم کہ اس کے مال کی اصلاح کرنا اور ان کی تربیت بہتر اور خیر ہے اور ان کے

ساتھ میل جول کرنا اپنے کاموں میں انکو شریک کرنا اور ان کے کاموں میں خود شریک

ہونا بہتر ہے و فتوہ مختار سے دینی بھائی ہیں کوئی غیر اور اجنبی نہیں ہیں یعنی مخالفت

کرنا اور ان سے رشتہ داری کروانے کی اصلاح اور ان کی تربیت کرنا انکو

فساد میں مبتلا کرنا ہے اصلاح اور معذ کو پہچانتا ہے یعنی جو شخص یتیمی سے منظر

اصلاح حال ان کی مخالفت کرتا ہے اللہ پاک اسکو بھی پہچانتا ہے اور جو شخص بغرض و فساد

ان سے ملتا ہے اللہ پاک اسکو بھی پہچانتا ہے اور و لو شاء الله لا هلك منہ

مردہ کہ اگر اللہ چاہے تو تم کو ہلاکت و بلا میں مبتلا کر دے موافق مختار سے فساد و

بدینتی کے خلاصہ یہ نکلا کہ یتیموں کے اولیاء پر ان کے مال کی حفاظت اور اس کی اصلاح

حال فرض ہو اگر ترک کرے تو گناہ ہوگا اور یتیمی سے بغرض و فساد ملنا بھی گناہ ہے

اور منظر صلح و نفع بدون خیانت و بدینتی کے اولے ملنا جائز ہے بغیر افراط و تفریط کے

اور زہدیٰ میں ہو کر فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ خالطت کے یہ معنی ہیں کہ
 کہ تم اونٹن کھانا کھاؤ اور وہ تمہارا کھانا کھائیں اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ خالطت
 کے جائز ہونے پر سب اور حضریٰ میں پس کھانا برابر جمع کریں اور ملکر کھائیں خواہ آپس سے
 ایک زیادہ کھائے اور دوسرا کم کھائے تو ہر کچھ نہیں توجب تھوڑے مال میں یہ جائز ہے
 تو زیادہ مال میں بھی بدرجہ اولیٰ جائز ہو گا یہ الفاظ ہیں زہدیٰ کے انکو یاد رکھنا چاہئے
 کیونکہ آج کل ہمارے زمانہ کے متعصب شیخ اپس بہت زور دیتے ہیں کہ تقسیم میں عدل ہونا
 چاہئے تو اوپر یہ روایت زہدیٰ کی حجت ہو سکتی ہے اور تقسیم میں عدل کو جبکہ باب
 مرقا ہو اور زبایا لے کر گیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال کھاجانے پر سخت ممانعت
 کی ہو اور وعید فرمایا ہو اسکے مفصل احکام کتب فقہ میں موجود ہیں اور تقسیم کے متعلق مسائل
 آئندہ سورۃ النساء میں آئینگے انشاء اللہ تعالیٰ مسلمان مشرکین اور مشرکات کا
 نکاح مومنین اور مومنات کے ساتھ ناجائز ہونے میں قولہ تعالیٰ

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَا مِمَّنْ مَّوَدَّةَ بَيْنِهِ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ

يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالنِّصْرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

يَتَذَكَّرُونَ ترجمہ اور مست نکاح کرو مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور

تحقیق ایمان والی نوٹ دی بہتر ہو مشرک عورتوں سے اگرچہ تم کو پسند آئیں اور نکاح نہ کرو

مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور تحقیق ایمان والا غلام بہتر ہو مشرک مرد سے

اگرچہ تم کو پسند آئے یہ بلا تے ہیں تمکو دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف

اور مغفرت کی اپنے حکم سے اور ظاہر کرتا ہے اپنی نشانیاں آدمیوں کے لئے؟

شاید کہ تم عقل بکڑو یہ آیت دلالت کرتا ہے کہ مومنین کا نکاح مشرکات کے ساتھ
 اور مومنات کا نکاح مشرکین کے ساتھ ناجائز ہے چنانچہ مومنین کا نکاح مشرکات کے
 ساتھ ناجائز ہونا تو لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ سے ثابت ہے اور اسکا یہ قسم ہے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے حضرت مرثد الغنوی کو جو کہ ایک شجاع آدمی تھے مکہ معظمہ
 کو اس غرض سے بھیجا کہ جو مسلمان مکہ میں کفار کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں ان کو
 لے آئیں پس جب وہ مکہ پہنچے تو ایک عورت مشرک نے جو بہت حسین اور مالدار اور انکی
 قدیم ملنے والی بھتی اوسے اپنی رغبت اور عشق اوپر ظاہر کیا انھوں نے خدا کے خوف
 سے اوس سے انکار کیا اور اوس کے ساتھ نکاح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ
 وسلم کی اجازت پر موقوف رکھا پس جب وہ واپس خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو یہی
 تمام قصہ عرض کیا اور نکاح کی اجازت چاہی اوسوقت یہ آیت نازل ہوئی اور تفسیر حسینی
 میں ہے کہ قَلَامَةُ قَوْمِيَّةٍ کی وجہ نزول یہ ہے کہ ایک روز عبداللہ بن رواحہ نے
 اپنی لونڈی کو مارا اختلاف خراج پر تو اوس لونڈی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
 وصحابہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو کر شکایت کی اوسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ
 وسلم نے استغفار فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ نماز پڑھتی ہے اور
 روزہ رکھتی ہے اور اللہ اور اوس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے لیکن میری اطاعت نہیں
 کرتی تو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے کہ وہ مومنہ ہے تو اُس کے ساتھ
 احسان کرو تو انھوں نے اُسکو آزاد کر دیا اور اوس کے ساتھ نکاح کر لیا اوسپر کفار نے
 اوپر طعنہ زنی کی اور کہا کہ ابن رواحہ نے کالی لونڈی سے نکاح کر لیا باوجودیکہ
 اوسکو فلان مشرک طلب کرتی تھی تب یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے ثابت ہے کہ

مومنین کا کھانا مشرکات سے قطعی حرام ہے لیکن یہ حرمت موقت ہے یعنی اس وقت تک جو جب تک کہ مشرک ایمان نہ لائے لیکن کچھ یہ کہ فقہائے مومنین کا کھانا کتابیہ سے جائز رکھا ہے خواہ لونڈی ہو یا آزاد بنیادی میں لکھا ہے کہ چیتہ اگرچہ شامل ہوتی ہے کتابیہ مشرک کو کبھی کدہ قائل ہے عزیر کے ابن اللہ ہونے کی لیکن وہ مخصوص ہے اس قول الہی سے وَأَنْتُمْ صِلْتُمْ مَعَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْكُفَّاءَ مِنْ دُونِ الْمَلَائِكَةِ مِنْ اس سے جائز ہے اور ان کے ساتھ کھانا اور کثافتیں اور کہ یہ آیت مائدہ سے منسوخ ہے اور زہدی میں ہے کہ ہمیں بعض منسوخ ہے اور بعض باقی اور حاصل یہ ہے کہ کتابیہ سے کھانا جائز ہے اور دیگر مشرکات سے حرام اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد محض جربہ و مشرک ہے تو یہ آیت غیر منسوخ رہے گی اور نہ مخصوص ہوگی مہیا کہ صاحب کثافت نے خیال کیا اور میرے خیال میں یہ بات ہے کہ اللہ پاک نے شرط ایمان کی لگائی ہے اور رسول ہے اور کتاب پر تو کتابیہ ضرور ان تینوں امور پر ایمان رکھتی ہیں اس واسطے کہ کتابیہ سے کھانا جائز ہے بخلاف دیگر مشرکات کے اور مشرکات کا لفظ عام ہے جو جوسی اور بت پرست کو لیکن صاحب ہدایہ نے اس کو مخصوص کیا ہے بت پرستوں کے واسطے اور جوسی کی بابت تو پہلی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہو چکی ہے کہ اپنے فرمایا کہ جو حیوان کے ساتھ اہل کتاب کا سا برتاؤ کرو مگر ان کی عورتوں سے کھانا مت کرو اور ان کا ذبیحہ مت کھاؤ تو معلوم ہوا کہ جو حیوان کی بابت حدیث سے صاف حاکمیت معلوم ہو گئی تھی اس آیت سے صرف مشرکین کی بابت حکم ظاہر ہوا قولہ لِقَالِي وَلَا تَتْلُوا الشُّرَاقِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا سے مراد یہ ہے کہ زنانہ مومنہ کا کھانا مشرکین سے مت کرو تا آنکہ مشرکین ایمان نہ لائیں اگرچہ مشرکین خوب صورت ہوں حَتَّى يُؤْمِنُوا سے بطریق استدلال سابق مفہوم ہوتا ہے

کر چکے شامل ہو گا مسلم اور کتابی کو ایسے کتابی سے زن مومنہ کا نکاح جائز ہو مگر یہ خلاف
 ہر بالاتفاق قولہ لَعَالَىٰ اُولَٰئِكَ يَكْفُرُونَ اِلَى النَّارِ سے یہ مدعا ہو کہ مشرکین اور
 مشرکات ایسے اعمال کی طرف ترغیب دیتے ہیں جو موجب دخول فی النار ہوں اور
 وَاللّٰهُ يَكْفُرُ اِلَى الْجَنَّةِ سے یہ مدعا ہو کہ مومنین یا اولیاء اللہ ایسے اعمال کی طرف متوجہ
 کرتے ہیں جو مستوجب دخول جنت ہوں ظاہر ترجمہ یوں ہو سکتا ہے کہ اللہ بلا تاہی جنت
 اور مغفرت کی طرف مگر لفظ اولیاء اسکے پہلے مقدر ہنس قرینہ سے تسلیم کیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا بِذِہِ یعنی خدا کے حکم سے تو خود خدا کو اپنے اذن کی کیا ضرورت ہے
 اسلئے یہ معنی ہوئے کہ اولیاء اللہ بلا تے ہیں جنت اور مغفرت کی طرف خدا کے حکم یا
 اذن سے مسلمہ حرمت مقاربت میں بحالت حیض اور عورت کے ساتھ
 و بر میں مجامعت کرنے کی حرمت میں قولہ لَعَالَىٰ اُولَٰئِكَ يَكْفُرُونَ اِلَى النَّارِ

قُلْ هُوَ اَدْنٰی نَاعَتِرُ لَوِ الْاِنْسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَلَا تَقْرُبُوْهُنَّ حَتّٰی يَطْهَرْنَ فَاِذَا طَهَّرْنَ
 فَاُولٰٓئِهِنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ طَآ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ
 اِنْسَاء تَحَرُّثُ لَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ اَحْرَكَكُمْ اَنۢیۡ تَشْعُرُوْا قَدَ اَمَرَاۤیۡكُمْ فَنُفِیْكُمْ وَ اَتَمَّوْا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ
 مَّلَکَہٗ تَوَلَّوْا وَ کَبَّرَ الْمَوَہِیۡنِ نَزَّجَمَہٗ اور پوچھتے ہیں تجھ سے حکم حیض کا تو کہہ دے وہ گندگی ہے
 سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض میں اور نزدیک نہواؤں سے جب تک پاک نہ ہووین
 پھر جب پاک ہوں تو جاؤ اور تمکے پاس جیسا حکم کیا تمکو اللہ نے اللہ کو خوش آتے ہیں
 تو پھر کرنے والے اور خوش آتے ہیں پاکیزہ رہنے والے عورتیں تمھاری کھیتی ہیں تمھارے
 لئے سو جاؤ اپنی کھیتی میں جسطرح چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو
 اللہ سے اور جان رکھو کہ تمکو اس سے لگنا ہو اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو واضح ہو کہ

اسکی شان نزول اسطرح ہے کہ اہل عرب حائضہ سے اجتناب بہت کرتے تھے یہاں تک کہ
 نہ ساتھ کھاتے نہ پیتے نہ ایک مکان میں رہتے مثل یہودیوں کے اور مثل مجوسیوں کے
 پس سوال کیا ثابت بن وریح نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور عرض کیا کہ
 یا رسول اللہ سرشار شدیدی ہو کر پڑے قلیل ہیں جو صرف ایک آدمی کو کافی ہو سکتے ہیں تو ہم
 باہم ہنگام خواب جمع ہو سکتے ہیں یا نہیں اور ہم کو کیا برتاؤ برتنا چاہئے تب یہ آیت نازل
 ہوئی کہ تم ان سے مجامعت نہ کرو جب تک پاک نہ ہو جائیں اور ایسے سخت اجتناب کی
 ضرورت نہیں اور روایت ہے کہ یہود تو حائضہ عورتوں سے مقدار سخت نفرت کرتے تھے کہ
 ان سے کلام تک مکروہ جانتے تھے ملنا جلنا تو درکنار اور رضائی حائضہ عورتوں سے
 بلا تکلف مجامعت کرتے تھے اور مخالفت رکھتے تھے تو حکم الہی نازل ہوا کہ تم لوگ متوسط
 طریقہ اختیار کرو افراط و تفریط دونوں کو چھوڑو جبکہ اجتناب کا حکم دیا گیا ہے اسکو
 سب لاؤ باقی امور میں حسن سلوک سے پیش آؤ اور صرف موضع حیض مراد لیا ہے اذی سے
 بالاجماع یعنی وہ مقام کراہت و نفرت ہے اور اذی کے معنی نجاست یا درد کے ہیں کیونکہ
 بوجہ اخراج خون نجاست ہے اور بوجہ اسکے کہ ایام حیض میں مجامعت سے عورت کو
 تکلیف ہوتی ہے درد کے معنی لئے جاسکتے ہیں اب مقدار استمتاع میں فقہاء کو اختلاف ہے
 تو امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ زیر ناف سے گٹھنوں تک
 استمتاع ممنوع ہے اور محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ صرف موضع فرج سے استمتاع
 ممنوع ہے اور اس قول کی تائید میں وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
 فرمایا کہ موضع مخصوص سے اجتناب ہے اور یہی قول الہی سے پایا جاتا ہے کہ مجامعت و
 مقاربت کا استمتاع ہے اور تطہرن کی قرأت تشرید اور تخفیف و لون طرح ہو سکتی ہے

تو بحالت تشدید انتہاء حرمت غسل تک ہوگی اور بحالت تخفیف انتہاء حرمت خون بند ہونے تک تو یہ دو نو قرائین مثل دو متعارض آیتوں کے ہو جائیگی اور تعارض میں یہ حکم جو حکم یا بیخ معادوم بہت اول توفیق کرے پھر ترجیح کرے پھر تاسا قضا کرے تو ہنسی بیان توفیق کر لی اسلحہ کہ بحالت تشدید یہ معنی ہونگے کہ اگر بس روز سے کم میں خون بند ہو جائے تو غسل تک انتہاء مدت حرمت ہو اور بحالت تخفیف یہ معنی ہوئے کہ پورے دس روز گزر گئے پر صرف خون کا بند ہونا انتہاء مدت حرمت کو کافی ہو تو اس توفیق سے تعارض باقی نہ رہا اور دو نو قرائتوں سے ایک ہی معنی نکل آئے اور زن کتابیہ کے لئے صرف انقطاع خون حیض کافی ہو اگرچہ دس روز سے کم میں بند ہو گیا ہو اور دس روز سے زیادہ خون جاری رہے تو استحاضہ میں لغتور

کیا جائیگا تو اس میں انقطاع خون کی شرط نہیں لیکن قول الہی کہ فَإِذَا انْقَطَعَتْ فَائْتُوهُنَّ اَسْوَا مِمَّا يَكُنَّ فِي اَرْصِهِنَّ لَعَلَّ يَسْتَرْحِمْنَ لکن قول الہی کہ فَإِذَا انْقَطَعَتْ فَائْتُوهُنَّ اَسْوَا مِمَّا يَكُنَّ فِي اَرْصِهِنَّ لَعَلَّ يَسْتَرْحِمْنَ بالتحقیف نہیں ہو کیونکہ اسکی قرأت بالشریہ پر سب کا اتفاق ہو تو اسکی قرأت بھی بالشدید ہی ہونا چاہئے یہ سخت مشکل ہو گوا کے جواب علمائے دئے ہیں لیکن ضعیف ہیں خلاصہ قول مبناوی یہ ہو کہ قولہ لَعَالِي فَإِذَا انْقَطَعَتْ دلالت کرتا ہو جواز تاخیر غسل سے یعنی بعد غسل طہارت مقصود ہو اور اسی قول سے صاحب کشاف اور صاحب مدارک نے اتفاق کیا ہے اور

یہی مذہب امام شافعی علیہ الرحمہ کا ہے اور قولہ لَعَالِي إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ کے یہ معنی ہیں کہ جو لوگ پہلے حالت حیض میں عورتوں سے مجامعت کر چکے یا جانب دیر سے وطی کر چکے وہ تائب ہوں اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور تَائِبُونَ لَكُمْ أَنِّي شَتَّخُ كَايَ بَيَانِ ہر کہ یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ جو شخص عورت سے

چھپے سے مجامعت کر لیا اوسکی اولاد اندھ سی پیدا ہوگی اور علی بن ابی قیس تو اس کے
 جواب میں اللہ پاک نے فرمایا کہ عورتیں مختاری کیتیاں ہیں جس طرح چاہو آگے چھپے
 بیٹھے لیٹے وغیرہ صورتوں سے مقام حرث میں جس طرح کہ اللہ پاک نے تم کو حکم دیا ہے
 مجامعت کرو وقتاً موعداً نفیساً کہ یہ مراد ہے کہ قبل مجامعت اعمال حسہ کرو مثل طلب
 فرزند صالح یا بسم اللہ پڑھ کر مشغول ہونا وغیرہ اور ڈرو اللہ سے منع فعل کے انتخاب
 میں اور یقین رکھو کہ تم اللہ پاک سے ملنے والے ہو وہ مختار سے ظاہر باطن کو خوب جانتا ہے
 اور زاہدی میں ہے کہ لوگ اوسکو مودہ صغریٰ کہتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 سے عرض کیا آپ نے فرمایا کہ کاذب ہیں یہو واللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آتی یشتتہ کہ
 اگر چاہو اغترال کرو اور اگر چاہو مقاربت نہ کرو اہل اصول نے امین بحث کی ہے کہ لفظ آتی
 میں مشکل ہے کبھی تو یہ لفظ میں آئن کے معنی میں آتا ہے جیسے کہ قول الہی میں قوله لعلی
 آتی یكون لى غلاماً تو اس لفظ کے معنی میں اشتباہ واقع ہوا تو روافض نے کہا معاذ اللہ
 منہ اس سے مراد ہے جس طرح سے چاہو مجامعت کرو خواہ قبل سے خواہ دبر سے اور ہم
 یہ کہتے ہیں کہ معنی کیف کے ہیں یعنی جس طرح چاہو بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے یا لیٹے
 ہوئے مگر فرج میں کیونکہ اللہ پاک نے کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ مقام تولید
 بچہ لطف سے دہی ہو اور نیز شان نزول آیت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور مجامعت
 سے مقصود اجرائی نسل فرج سے ہی ہو سکتا ہے نہ دبر سے اسلئے ہمارے نزدیک
 عورت کی دبر میں وطی کرنا حرام ہے اور اسکو بھی لواطت کہنگلے ایسا سٹے فہمائے کہا ہے
 کہ اگر مرد عورت سے حالت حیض میں ارادہ مجامعت کرے یا موضع دبر میں اور عورت
 ایسے مرد کو قتل کر ڈالے تو عورت پر نہ قصاص واجب ہو گا نہ دیت۔ اور حالت حیض میں

حدیث مذکورہ درجہ ۱۳۷

وطی کرنا گناہ ہو اگر اتفاقاً ایسا گناہ ہو جائے تو توبہ کرے اور ایک دینار صدقہ دے اور اہل اصول نے بحث کی کہ وطی حالت حیض میں حرام لغیرہ ہے یعنی بوجہ ازہی کے تو اعتراض ہوا اگر بوجہ ازہی کے حرمت ہو تو بحالت استحاضہ بھی وطی کا ہوا حرام ہونا چاہیے کیونکہ ازہی جو علت حرمت ہو وہ اسپین بھی موجود ہو اسکا جواب دیا گیا کہ بعض اوقات ممکن ہو کہ استحاضہ دائمی ہو جائے تو ایسی حالت میں عورت ہمیشہ کو منزوک ہو جاوے گی جو خلاف نص ہے مسئلہ معیشت پر حلف نہیں ہوتا اور حلف کی زیادتی نہ چاہئے اور

نقیم ایمان کا بیان اور وجوب کفارہ اس میں قوله تعالى وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً

لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُخَوِّتُوا أَيْمَانَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ لَا يَأْخُذُ

كُفْرُ اللَّهِ بِاللَّعِينِ أَيْمَانُكُمْ وَلَا يَكُنْ يَأْخُذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ أَلْسِنُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

ترجمہ اور مت گردانوا اللہ کو ہتھکنڈا اپنی قسموں کا یہ کہ سلوک نہ کرو اور پرہیزگاری اور صلح کرو درمیان لوگوں کے اور اللہ مستنا ہو اور جانتا ہو اور اللہ مواخذہ نہیں کرتا

مختاری کا کارہ قسموں میں لیکن پکڑتا ہو تم کو ان کاموں میں جو کرتے ہیں دل تمھارے اور اللہ غفور اور حلیم ہو واضح ہو کہ یہ دو آیتیں ہیں پہلی سے ثابت ہو کہ معیشت پر حلف

کرنا جائز نہیں ایک سبب سے اور زیادہ حلف نہ کرنا دوسری وجہ ہے خیانت کی شان نزول اس طرح ہے کہ عبداللہ بن رواحہ کی عداوت انکی بہن اور ہنوی سے ہو گئی جبکالبشر

بن سخمان نام تھا تو عبداللہ بن رواحہ نے قسم کھائی خدای بزرگ و بزرگی کہ اسے کلام نہ کریں اور اسے حق میں نیکی نہ کریں اور اس کے دشمن سے اونکی صلح نہ کر ایشکے بت یہ آیت نازل ہوئی کہ تم لوگ اللہ پاک کو اپنی قسموں کا ہتھکنڈا نہ بناؤ یہ اکثر تفا سیر میں ہے اور قاضی بیضاوی نے لکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہم نے حلف کیا تھا کہ کبھی

مسح کے ساتھ سلوک نہ کروں گا کیونکہ اسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر افتر کیا
 محتاج یہ آیت نازل ہوئی اور اس آیت میں لفظ اسم محذوف ہے جو اللہ کی طرف
 مضاف ہونا چاہیے تھا یعنی قسم میں اللہ کا نام عرضہ نہ بناؤ اور نیکی اور تقویٰ اور مسیح
 نہ کرنے کی قسم نہ کھاؤ پس چاہئے کہ بد کاموں پر یا نیکی کاموں سے باز رہنے پر قسم
 نہ کھائے اگر ایسا کیا ہو تو قسم کو توڑا ڈالے اور کفارہ دے دوسرے یہ کہ بہت قسم کھایا
 کرتے اور ایک اثر صحیح میں واقع ہوا ہو کہ قسم سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اگر دروغ قسم
 کھائے تو عند اللہ مواخذہ ہوگا اور اگر سچی قسم کثرت سے کھائے تو افلاس و فقر لاحق
 ہوگا اب قسم کے انواع بیان کئے جاتے ہیں واضح ہو کہ قسم کی تین قسمیں ہیں ایک تو لغو
 دوسرے عموں تیسرے منعقدہ۔ قسم لغو تو وہ ہو کہ جو عادتاً تاکید کلام وغیرہ پر بولتے ہیں
 جیسے ہندوستانی لوگ واللہ باللہ واللہ یا اللہ اللہ اللہ یا اللہ اللہ کلام کر لیتے ہیں اور عرب
 لوگ لا واللہ یا بے واللہ کہہ کرتے ہیں اس سے پرہیز رکھنا چاہئے اور عفو کی امید پر
 تو یہ کرنا چاہئے دوسری عموں وہ ہو کہ کسی واقعہ گذشتہ کی صداقت پر قسم کھائی جاوے
 پس اگر نفس واقعہ کے خلاف قسم کھائی مگر قسم کھانے والا اسکو حق جانتا ہو تو وہ قسم
 ہمارے نزدیک داخل لغو ہو جائے گی اور اگر عمدتاً حق چھپانے کی وجہ سے جھوٹ قسم
 کھائی تو یہ عموں ہوئی اسپر گناہ عائد ہوتا ہو اور منعقدہ وہ ہو کہ آئندہ کے کام کی بابت
 حلف اٹھا یا کرے یا نہ کرنے کی بابت تو اس پر کفارہ لازم ہو بحالت حلف شکنی کے
 اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک عموں اور منعقدہ دونوں پر کفارہ ہو واضح ہو کہ اللہ
 پاک نے دو مقام پر قسموں کا ذکر کیا ہو ایک تو یہاں دوسرے سورۃ المائدہ میں اور
 دونوں جگہ فرمایا کہ لغو پر مواخذہ نہ کیا جائیگا مگر لغو کے علاوہ جھوٹ قسم کھانے پر

بیان تو محض موحد بیان فرما کر پھر بشارت منفرد دی اور سورۃ مائدہ میں منعم منعقدہ کی بابت فرمایا کہ اسکا کفارہ دس سالین کو کھانا کھانا ہو پس اس سے امام شافعی علیہ الرحمہ نے لغو کے علاوہ دو لون فتنوں پر کفارہ واجب گردانا اور ہم نے صرف منعقدہ پر کفارہ کو واجب بنانا مسئلہ طلاق اور عدت کے بیان میں مسئلہ ایلا کا ذکر

قوله تعالى الذّٰی یُؤْکُوتُ مِنْ نِّسَاءٍ هُوَ تَرْتَبُّ اَزْبَعَةً اَشْهَرُ اَنْ قَالَتْ اَقَاتَ اللّٰهُ عَقُوْبًا سَرِیْحًا اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ترجمہ جو لوگ متم کھا رکھتے ہیں اپنی عورتوں سے اونکو فرصت ہو چار مہینے پھر اگر لگے تو اللہ بخشے والا مہربان ہو اور اگر کھٹھرایا رخصت کرنا تو اللہ سنسنے والا اور علیم ہو واضح ہو کہ اللہ پاک نے کسی مسئلہ کو قرآن کریم میں ایسا مفصل بیان نہیں فرمایا جیسا کہ مسئلہ طلاق و عدت کو مشرح بیان فرمایا ہو چنانچہ مسئلہ طلاق میں اس کے اقسام مثل حیث و بانہ و غلیظہ و ایلا و خلع وغیرہ کے ہو تشریح کی اور عدت کے مسئلہ میں اسکی اقسام مثل عدت حائضہ و آئسہ و صغیرہ و حاملہ و مطلقہ و بیوہ وغیرہ کے تفصیل کی ہو ایک تو اس سورہ میں دوسرے سورۃ الطلاق میں واضح ہو کر زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کسی مرد کا دل عورت سے سیر ہو جاتا اور وہ جانتا کہ اگر اسکو طلاق دیجائے گی تو دوسرا مرد اپنی زوجیت میں لے لیا تو وہ مرد اس عورت کو اسطرح ترک کر دیتا تھا کہ نہ تو طلاق دیتا جو دوسرے مرد پر جائز ہو جائے نہ اسکو اپنے پاس بلاتا نہ سختی اور اسطرح ایک مدت غیر متناہی تک رہنے دیتا اسکو (ایلا) کہتے ہیں تو اللہ پاک نے اس فعل کی بابت حکم نازل فرمایا کہ جو شخص (ایلا) کرے اسکو چار ماہ کی مہلت ہو خواہ اس میں اسکو اپنی زوجیت میں لائے یا طلاق دیدے ورنہ بعد انقضائے مدت طلاق واقع ہو جائیگی یہ مدعا تو حسینی اور زاہد یکے بیان کا ہی اور ہدایہ میں اس سے اختلافات کیا گیا ہو وہ (ایلا) کو

طلاق مجمل کہتے ہیں اور ایلا کی یہ تشریف ہے کہ کوئی شخص حلف کرے اس طرح کہ اپنی عورت سے بذاتنی مدت مقدار بت کر گیا یا متم ہو خدا کی اتنے جیسے اس عورت سے نہ میکا اگر اسے توجح واجب ہوگا یا استقرار روزہ رکھے یا صدقہ دے وغیرہ وغیرہ عرض طلع کرے مد شرط کے یا بلا شرط کے تو ایلا ہوگا اور ایلا کی مدت حر کے واسطے چار ماہ ہیں تو اگر ایک سال یا چھ ماہ کا حلف کرے یا ایک روز و دو روز کا کرے تو وہ ایلا نہ ہوگا اور لونڈی کے واسطے ایلا کی میعاد دو ماہ ہیں کیونکہ لونڈی کا نصف حق ہے بیوی سے جیسا ایلا کی تشریف ہو چکی تو اس کے احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ پروردگار عالم نے ایلا کی بابت مدت قائم کی اور فرمایا کہ اگر اس مدت میں پھر زوجیت میں رکھ لیا جائے تو اللہ پاک غفور رحیم ہے اور اگر طلاق دیدی جائے تو سمیع علیم ہے یعنی بحالت واپسی اللہ تعالیٰ نے مغفرت و رحمت کی بشارت دی ہو اس سے ظاہر ہے واپسی فضل اور عمدہ ہے تو اگر اللہ پاک کی قسم کھائے اور پھر واپسی چاہے تو کفارہ دیدے اور اگر حج و صدقہ وغیرہ کی قسم کھائے تو اس کو پورا کرے اور اگر طلاق و عناق کی قسم کھائے تو واقع ہو جائے گی اور رجوع کی یہ صورت ہے کہ اوں عورت سے وطی کرے اگر بوجہ کسی مرض یا مجبوری کے جو دو لون میں سے کسی ایک کو لاحق ہو اور اس کے سبب وطی نہ کر سکے تو وعدہ کرے کہ بعد رفع مرض یا عجز کے وطی کرے گا اور اگر نہ رجوع کیا تو بعد گزرنے مدت کے ہمارے نزدیک طلاق بائتمہ ہو جائے گی اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بعد انقضاء مدت طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ عورت پر واجب ہے بعد گزرنے مدت کے مرد سے مطالبہ کرے رجوع یا طلاق کا پس اگر خاوند رجوع کرے تو کفارہ دے اور عورت حلال ہے اور خدا غفور رحیم ہے اور اگر طلاق دے تو بائتمہ ہو جائیگی اور خدا سمیع علیم ہے اور اگر دو لون امر نے مرد ایک بھی نہ کرے تو حاکم یا قاضی تفریق کر دیں

تو یہ تفریق بھی بابت ہوگی اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت کا ذکر کیا اور طلاق
جی میں رحمت کا ذکر کیا قولہ تعالیٰ فَاِلٰى الْمَطْلَقَاتِ يَتَرَبَّصْنَ بِالنَّفْسِ ثَلَاثَةَ شُهُرٍ

وَلَا يَحِلُّ لِهِنَّ اَنْ يَّكُنَّ فَاِخْلَقَ اللّٰهُ فِيْ اَوْحَادٍ مِّنْ اَنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

وَيُؤْمِنَنَّ اَحَدٌ بِرَبِّهِ فَاِنَّ ذَلِكَ اِنْ اَرَادَ الْاَصْلَاحَ وَلَمْ يَكُنْ فِتْنًا الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

بِالْمُحْرَمَاتِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ترجمہ اور طلاق والی عورتیں انتظار

کراویں اپنا حیض تک وراؤ نکوجائز نہیں کہ چھپاویں جس چیز کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے

اونکے پیٹ میں اگر ایمان رکھتی ہوں اللہ پر اور قیامت پر اور اونکے شوہر مستحق ہیں انکے

پھیر لینے کے اس عرصہ میں اگر ارادہ کریں نیکی کا اور اون عورتوں پر یہی جیسے کہ اوپر ہے

نیکی اور مردوں کے لئے ہیں اوپر اونکے درجہ اور اللہ عزیز و حکیم ہے واضح ہو کہ اس آیت میں

اللہ پاک نے عدت اور رحمت کا بیان فرمایا یہی عدت تو اس قول الہی سے کہ مطلقات

انتظار کریں تین حیض کا لینے آزاد مدخلہ حائضہ ہونے والی عورتیں بعد طلاق تین حیض تک

عدت کریں دوسرے نواح سے باز رہیں ان قیود سے یہ ثابت ہوا کہ لونڈی کو صرف

دو حیض انتظار کرنا چاہئے اور غیر حائضہ مثل آئسہ یا صغیرہ کے تین ماہ انتظار کرے اور جو غیر

مدخلہ ہو اوپر کچھ عدت نہیں غیر مدخلہ عورت ہی جس سے خلوت صحیح ہوتی ہو اور رض میں

اگر چھ طلاق کی بابت یہ حکم نازل ہوا لیکن صاحب ہدایہ نے تفریق کو بھی اسی حکم کے

ماتحت گردان کر شامل طلاق کر لیا یہی کیونکہ وہ کہتے ہیں عدت سے یہ مراد ہے کہ جو کچھ اونکے

رحم میں ہو ظاہر ہو جائے لینے اگر حمل ہو تو معلوم ہو جائے تو تفریق کی صورت میں بھی وہی

ضرورت بختہ قائم رہتی ہے اس واسطے تفریق میں وہی عدت لازمی ہونا چاہئے اور لفظ

قرہ کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی ہیں پس ہمارے نزدیک تو اس مراد حیض ہے

یعنی تین دفعہ حیض آئے تک انتظار چاہئے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رحم کی حالت تو ایک حیض سے معلوم ہو سکتی ہے زیادہ کا انتظار کیوں کیا جائے تو اس کا یہ جواب ہے کہ انس میں تین کی گنتی محدود ہو گئی اس کو کامل کرنا چاہئے اس میں نہ کم ہو سکتا ہے نہ زیادہ پس اگر طلاق دیجائے طہرین تو حسب رائے امام شافعی علیہ الرحمہ کہ وہ قرء سے مراد طہر لیتے ہیں تو باقی دو طہر اور کچھ حصہ تیسرے طہر کا میعاد عدت ہوگی اور اگر مراد حیض سے لیجاوے تو تین حیض اور کچھ حصہ چوتھے حیض کا ہوگا پس اگر کوئی کہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دیجھاوے تو عدت تین گنتی حیض شمار ہونگے اس کا یہ جواب ہے کہ طلاق حیض کی حالت میں دینا بدعت ہے اور اگر اتفاقاً ایسا ہو گیا ہو تو موجودہ حیض کے علاوہ تین حیض تک میعاد عدت ہوگی نہ کم نہ بیش اس میں فرقہ حنفیہ اور شافعیہ کے باہم بہت سے مباحث ہیں سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قرء سے حیض مراد ہے اور شافعیہ کے نزدیک طہر مقصود ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل بیان کئے ہیں اور قولہ تعالیٰ

اِنْ كُنْتُمْ يٰۤاَهْلَ الْبَيْتِ يٰۤاَهْلَ الْبَيْتِ يٰۤاَهْلَ الْبَيْتِ يٰۤاَهْلَ الْبَيْتِ يٰۤاَهْلَ الْبَيْتِ
 ان کنت یٰۤاہل البیت یا اہل البیت یا اہل البیت یا اہل البیت
 رکعتی ہیں وہ اپنے حمل کو نہیں چھپاؤنگی اور ان احکام کی جو ہم نے صادر فرمائے ہیں
 خلاف ورزی نہ کریں گی اور چھپانے سے انتقاط حمل بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی پوشیدہ
 طور سے انتقاط حمل نہ کریں گی اب رحبت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَوَلَّوْاْ
 اَعْنَ بَدْنِکُمْ یعنی اونکے شوہر استحقاق میں رحبت کے ایام عدت میں تو یہ حمل کو یا معلوم
 ہے قول سابق پر کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ عورتوں کو جائز نہیں ہے کہ جو اونکے رحم میں ہے
 اس کو چھپائیں یعنی خدا متعالیٰ نے ان کو حمل عطا کیا ہو تو چاہئے اپنے شوہر و منظر ظاہر
 کر دیں کیونکہ شوہر استحقاق میں کہ ایام عدت میں رحبت کر سکیں کیونکہ عدت میں رحبت بغیر نکاح

ہو جاتی ہو اور بعد گزرنے عدت کے بے نكاح نہیں ہو سکتی اور نیز اس آیت سے مستنبط
ہوتا ہے کہ ایام عدت میں عورت زوجیت سے خارج نہیں ہو سکتی اس واسطے طلاق رجعی میں
وطی حرام نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعد طلاق رجعی لفظ زوج سے تفسیر کیا اگرچہ ممکن ہو کہ یہ
لفظ زوج باعتبار تعلق سابق کے استعمال کیا گیا ہو تو اس حالت میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا
قول رد ہو جائیگا کہ وہ کہتے ہیں کہ رجعت میں صرف قول کی ضرورت ہو نہ وطی کی جیسا کہ
ایما میں برعکس اسکے اور چونکہ یہ آیت مطلق ہو کسی شرط اشتہاد وغیرہ سے اس سے ثابت
ہوا کہ رجعت میں گواہ اشتہاد کی ضرورت نہیں جیسا کہ مذہب امام شافعی اور امام مالک
علیہما الرحمہ کا ہے کہ غایت درجہ یہ ہے کہ گواہ لانا مستحب قرار پایا ہو یہ خلاف ہے اکثر تفاسیر کا
اور جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شوہر مستحق تر ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر مرد رجعت چاہے
اور عورت نہ چاہے تو مرد کا قول زیادہ قابل قبول ہو عورت کے قول سے کیونکہ مرد مستحق
زیادہ ہو رجعت میں نسبت عورت کے اور قولہ تعالیٰ إِنْ أَرَادَ إِذَا ضَلَّتْ فَاِیْتِیْہِ اگر
شوہر ارادہ رکھیں اصلاح کا ابتداء میں اسلام میں بعض لوگ عورتوں کو طلاق رجعی دیتے
پھر قبیل الفقہاء مدت رجعت کر لیتے اور اس رجعت سے مدعا اونکا محض فساد شوہر تھا
تو اللہ پاک نے فرمایا کہ رجعت اصلاح کے ارادہ سے کرو نہ فساد کے ارادہ سے
دوسرے اس حکم سے معلوم ہوا کہ رجعت ارادہ پر محض ہو کوئی واجب امر نہیں کہ طوعاً
و کرہاً رجعت کیجائے و قولہ تعالیٰ وَلَمْ یَنْ یَّمْلُکْہِ الَّذِیْ عَلَیْکُمْ بِالْمَعْرُوفِ
اس سے ایما ہو حقوق زن و شوہر کا کہ شوہر کو زوجہ پر کیا حق حاصل ہو اور زوجہ کو اپنے
شوہر پر کیا حق حاصل ہو پس زوج یعنی خاوند کا حق زوجہ پر یہ ہے کہ زوجہ ہمیشہ خاوند کی
خدمت کرے ادب کرے اور کسی امر میں اعتراض نہ کرے اور اسکے حکم کی تعمیل کرتی رہے

اور طبع رہے اور کبھی وطی کو مالیت ذکر سے جسطح فائدہ کا جی چاہے وطی کرے البت
حیض و نفاس میں بالوطت یعنی دبر میں وطی کرنا چاہے تو زوجہ مانع ہو سکتی ہے اور
زوجہ کا حق شوہر پر یہ ہے کہ شوہر کفیل نان و نفقہ ہو اور لباس اور ادا بہر جیہ کہ فتنہ
میں مغمول ہو شوہر پر واجب ہے اور تعلیم شریعت اور احکام الہی کرے اگرچہ حقوق فریقین
برابر ہیں مگر زوج کو زوجہ پر بالاتفاق فینلت حاصل ہے اور بعض نے کہا کہ مالیت سے
مراد لذت و لطف کی برابر ہی مقصود ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے طلاق رجعی اور خلع اور

غليظ كما ذكر فما يقول تعالى الطلاق مَرَّتَيْنِ يَا مَسَافِكُ مِمَّنْ رَوَيْتَ عَنْهُ لِيُبَيِّنَ لَهُ لِي أَتَى اللَّهُ الْمُرْسَلِينَ
وَلَا يَجْعَلُ لَكُمُ الْكُفْرَ عِزًّا وَمِمَّا يُشْتَمُّونَ فِيهِ لَعْنَةُ اللَّهِ الْفَاسِقِينَ

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَمْلِكَا حَدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِي ذَلِكَ أَنْ يَكْفُتَا بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ
فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ فَإِنْ طَلَعَهَا فَلَا يَحِلُّ لَهُ

مِنْ بَعْدِ سَعْيِ شَيْءٍ رَّجَعْنَاهُ فَيَا نَاطِقًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ
يَسْتَرَا جَعَلْنَا أَنْ تَقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتَلَاكَ حُدُودَ اللَّهِ يَبَيِّنُهَا

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ترجمہ طلاق دودنہ ہے پھر دستور کے موافق رکھنا ہی یا حسن سلوک کے ساتھ رحمت کر دینا اور جو تم اون کو دے چکے ہو اوس سن سے نکال لینا جائز نہیں۔

مگر یہ کہ میان بی بی کو خوف ہو کہ خدا نے جو حدیں ٹھہرا دی ہیں اوپر قائم نہیں رہ سکتی
اس صورت میں کہ تم لوگوں کو اس بات کا خوف ہو کہ میان بی بی اللہ کی حدوں پر

فانم ہنہیں رہ سکیں گے اور عورت کچھ دے نکلے تو اس میں دونوں کو کچھ گستاہ نہیں

تو یہی لوگ گناہگار ہیں پس اگر عورت کو طلاق دیدے تو اسکے بعد جب تک

عورت دوسرے شوہر سے بچاؤ نہ کرے اور اسکے لئے حلال نہیں ہاں اگر دوسرا شوہر ہو تو
 طلاق دیدے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کرے
 بشرطیکہ دونوں کو توقع و خیال ہو کہ اللہ کی حد و نذر قائم رہے کیونکہ اللہ کی
 حدیں ہیں جنکو ان لوگوں کے لئے بیان فرمایا ہے جو لوگ سمجھتے ہیں واضح ہو کہ زمانہ
 جاہلیت میں عدد طلاق غیر معین تھی یہاں تک کہ اگر کوئی دس مرتبہ طلاق دیدیتا تو
 پھر رجعت کر سکتا تھا پھر طلاق دیدیتا پھر رجعت کر لیتا یہاں تک کہ یہ قضیہ ایک روز
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
 و آلہ وسلم سے عرض کی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ طلاق دو مرتبہ ہی لینے طلاق رجعی
 دو مرتبہ تک ہے اسکے بعد یا امساک ہے یا تہنکج ہے ساتھ احسان کے
 لینے دو طلاق تک حق حاصل ہے کہ خواہ رجعت کرے خواہ طلاق بائنہ دیدے یہ بیان
 توحید روایت جسنی اور زائد کیے اور بیضاوی اور تلویح کے ہے اور یہ توجہ یہ موافق
 ہے مذاہب شافعیہ و حنفیہ کے مگر دوسری توجہ یہ جو صاحب کشف نے بیان کی ہے
 محض مذہب حنفیہ کے موافق ہے اور صاحب مدارک اور فخر الاسلام نے بھی اسکو
 لکھا ہے وہ یہ کہ عدد طلاق سے مراد طلاق شرعی کا بیان ہے اس سے یہ منشاء ہے کہ
 طلاق دو مرتبہ علیحدہ علیحدہ وقتوں میں دیجائے نہ کہ ایک جلسہ واحد یا ایک تقریر واحد
 میں دو دفعہ طلاق دیدیجائے جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مباح ہے دو دفعہ
 یا تین دفعہ ایک ہی جلسہ میں طلاق دیدینا اب واضح ہو کہ طلاق کی تین قسمیں ہیں -
 طلاق احسن طلاق حسن طلاق بدعی طلاق احسن وہ ہے کہ ایک طلاق دے لیے طہرین
 جہیں وطی نہ کی ہو اور اوپر زیادتی نہ کرے اور طلاق حسن ہمارے نزدیک یہ ہے کہ

تین طہرین تین دفعہ طلاق دے یا تین ماہ میں بخلاف امام مالک کے کہ ان کے نزدیک یہ بدعی ہوگی اور طلاق بدعی یہ ہر کہ طلاق دے دو دفعہ یا تین دفعہ ایک ہی طہرین یا ایک ہی کلمہ میں یا ایک ہی جلسہ میں یا ایسے طہرین کہ جس میں وطی کی ہو یا حیض کی حالت میں بخلاف امام شافعی علیہ الرحمہ کے کہ پس اگر دو مرتبہ طلاق دے اور مبیعہ عدت باقی تھی تو حجت جائز رہی اور طلاق صحیح الفاظ سے واقع ہو گئی ہو اور اگر عدت گزر گئی یا کیا یا استبانہ پائی گئی تو حلال ہو اوسکے واسطے نکاح ثانی اس سے یا اوسکے غیر سے اور جب کہ تین مرتبہ طلاق دی گئی خواہ صریحاً ہو خواہ کنایتاً بعوض مال ہو یا بلا عوض کے تو حلال نہیں ہو سکتی وہ عورت مطلقہ یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اوس سے خلوت صحیحہ واقع ہو لینے وطی کرے پھر وہ طلاق دی تو شوہر اول سے نکاح ہو سکتا ہے دوسری صورت خلع کی یہ ہے کہ کافقہ سطح ہو کہ جمیلہ اپنے زوج ثابت بن قیس سے ناراض تھی اور ثابت نے اسکو ایک باغ مہرین دی رکھا تھا تو جمیلہ نے اوس سے بعوض اس باغ کے طلاق چاہی لینے باغ کو اس شرط پر واپس کر دیا کہ ثابت طلاق دیدے تو ثابت نے باغ لے لیا اور طلاق دیدی اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم جمیلہ کو طلاق لینے سے باز رکھتے تھے یہاں تک کہ وہ سخت آمادہ ہوئی اور باغ کو بعوض طلاق واپس دیتا چلا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ آیا تو باغ واپس دے گی اس نے عرض کیا کہ اسے سوا بھی کچھ دیکر عقب گزاری منظور ہے تو آپ نے زیادتی کو نامنطور فرمایا اور بعوض باغ طلاق واقع ہوئی کہ پہلا خلع ہی جو اسلام میں واقع ہوا ہے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو کچھ تم نے اپنی ازواج کو مہر میں دیا ہو وہ واپس نہ لو مگر جو حدود اللہ قائم نہ رکھ سکے کا خوف ہو

یعنی بوجہ یا موافقت مزاج فریقین یا شوہر بلا وجہ اپنی زوجہ کو کالی گلوچ دے مارے
 پیٹے یا عورت بے سبب شوہر سے بد مزاجی کرے تو ایسی حالت میں اگر عورت بچوں یا مہر
 کے بدلے میں خلع چاہے تو جائز ہو خلع سے طلاق بابت واقع ہوتی ہے لیکن بشرط خلع
 کی یہ کہ صریح الفاظ میں ہو مثلاً شوہر کہے کہ بعوض اس قدر مال یا مہر کے میں تجھ کو خلع کیا
 یا عورت کہے کہ مجھ کو بعوض اس قدر مال کے خلع کر اور خاوند کہے کہ میں نے خلع کر دیا اور اگر
 زوج کہے کہ بعوض اس قدر مال کے میں تجھ کو طلاق دی یا عورت کہے کہ بعوض اس قدر مال
 کے مجھ کو طلاق دے تو یہ خلع نہیں بلکہ طلاق علی المال ہوگی ضرورت کے وقت خلع مہر پر
 جائز ہے اس طرح کہ وہ بدلہ قرار دیا جاوے خلع کا اسکے مفصل احکام فقہ میں ہیں اور حسب
 ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر باہر مزاجی شوہر کی جانب سے ہو تو شوہر کو بدل خلع لینا عورت سے
 مکروہ ہے اور اگر بد مزاجی عورت کی طرف سے ہو تو خلع میں ہر سے زیادہ مال لینا مکروہ ہے
 جیسا کہ قبل ازیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوا اور اگر خلع طلاق ہے
 یا صخ ہو تو ہمارا شافعی علیہ الرحمہ سے اختلاف ہے اور ان کے قول قدیم کے موافق فصیح ہے
 اور قول بن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہما انکی تائید میں ہے اور ہمارے نزدیک اور قول جدید
 امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک موافق روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طلاق ہے
 پس اس اختلاف سے یہ نتیجہ ہوا کہ ہمارے نزدیک بعد خلع طلاق ہوتی ہے اور ان کے نزدیک
 بعد خلع طلاق نہیں ہوتی اور امام فخر الاسلام نے کہا کہ خلع فصیح ہے نہ طلاق ہو اسطے
 کہ طلاق دوبارہ مذکور ہوئی پھر خلع فرمایا کہ فَانْ طَلَّقَهَا اس سے واضح ہوا کہ خلع غیر
 محسوب ہے ورنہ چار طلاق ہو جائینگے اور قولہ لغالی اِنَّكَ حُرْمٌ وَّ دَا لَلّٰہِ فَلَا تَقْتَدُوْا
 اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو احکام دوبارہ خمر و قمار بازی و موال شتمی و حکام حیض و

حلف و ایلا و طلاق و عدت وارد ہوئے یہ سب حدود اللہ میں پھر ان ایک فرماتا ہے کہ جو حدود اللہ سے تجاوز کر گیا وہ ظالم ہے اور پھر مفسر اسے مشک کیا کہ کبیرہ کا قتلکب سون نہیں رہتا کیونکہ ظالم کا فرہوتا ہے ہم کہتے ہیں کہ (تہدی) سے مراد جمیع حدود اللہ سے تجاوز ہے اور روئے فعل و اعتقاد کے اور ظلم ایک چیز کو اسکے نا واجب جگہ میں رکھنا ہے اور یہ علم کلام میں مفصل ذکر کیا گیا ہے قولہ لعلی حتی تنکح زوجاً غیرک تمام مفسرین اور اہل اصول نے اس میں نکاح سے مراد وطی لیا ہے اور مجازاً عقد کو نکاح کہا گیا ہے اور محض عقد پر اکتفا کیا ہے سعید بن المسیب نے اور مجبور علماء نے وطی کی شرط کی ہے نکاح میں اور حدیث مشہور سے ثابت ہوتا ہے روایت ہے کہ رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو طلاق دی تین مرتبہ تب اس عورت نے نکاح کر لیا اپنا عبد الرحمن ابن زیر سے پھر آئی وہ عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں اور عرض کیا کہ عبد الرحمن عتی ہے اسکو تو میں نے مثل اپنے پارچہ لباس کے پایا پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے کیا تو اپنے شوہر اول کے پاس جانا چاہی ہے تو اسے عرض کیا مان تو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جب تک تجھ سے اور موجودہ شوہر سے وطی نہ ہو تب تک یہ نہیں ہو سکتا پھر چلی گئی وہ عورت اور پھر واپس آئی اور عرض کیا کہ اسے حج سے واپس کی پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم تیری اس قول کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ یہ پہلے قول کے خلاف ہے چنانچہ روایت ہے کہ پھر وہ عورت زمانہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں آئی اور اسے بھی وہی معاملہ پیش آیا پھر وہ آئی زمانہ عمر رضی اللہ عنہ میں اور اسے بھی ویسا ہی معاملہ پیش آیا اس سے ثابت ہوا کہ نکاح کے واسطے وطی شرط ہے اور بعض نے کہا کہ جب نکاح وطی کے معنی میں

آتا ہے تو اس حدیث کی کیا ضرورت ہے پہلی مسئلے میں کیوں نکاح نہ تسلیم کیا جائے خلاصہ
یہ ہے کہ جب تک دوسرے شوہر سے وطی نہ واقع ہو جائے نکاح شوہر اول سے نہیں ہو سکتا
پس اگر زوج ثانی بنتی ہو تو عورت کو چاہئے کہ اس سے تفریق حاصل کرے پھر تیسرا خاوند
کرے پھر لیبر وطی اس سے طلاق لے تب شوہر اول کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے اور از روئی
حدیث ثابت ہے کہ عورت کو اس نیت سے نکاح میں لانا کہ حلال ہو جائے شوہر ثانی کو
ناجاہز ہے یہی سیطر عورت کو خود نکاح اس غرض سے چاہنا ناجائز ہے اور امام مالک اور
اوزاعی اور ابی حنیفہ و امام شافعی وغیرہم کے نزدیک یہ نکاح فاسد ہے اور امام ابو حنیفہ
علیہ الرحمۃ کے نزدیک جائز ہے اگر بہت کے ساتھ اور اگر نیت کو چھپائے اور اسکی تصریح نہ کر کے
نکاح کر لے تو بغیر کراہت جائز ہے اور وطی کی شرط محض دخول ہے نہ انزال اور اگر لونڈی
آزاد کے نکاح میں ہو پھر وہ طلاق دیدے پھر مالک اس لونڈی کا وطی کرے تو اس سے
وہ لونڈی شوہر اول کے واسطے حلالہ نہیں ہو سکتی پھر شوہر اول سے دوبارہ عفت
کرنے میں یہ شرط بھی ہے کہ دونوں کو موافقت اور سلوک کا گمان ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہر اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيَا اَحَدُا وَدَّ اللّٰهُ اسلئے صرف ظن حجت وغیرہ عفت ثانی میں
کافی ہے یقین کی ضرورت نہیں اور شوہر اول کو دوبارہ نکاح کے بعد تین طلاق کا حق
حاصل ہے اس بارہ میں سوالات و جوابات کتب مطولہ میں مذکور ہیں بعد مسئلہ طلاق
ثلثہ کے الیہ ایک ذکر حجت کا عہدہ میں بیان فرماتا ہوں کہ قولہ لَعَالِي اِنْ اَزَّادَاطَلَقْتُمُ النِّسَاءَ
مَبْلُغُنَّ اَجَلَهُنَّ ذَا مَسْكُوْنَةٍ مَّعْرُوْبَةٍ اَوْ سَيَّرَهُنَّ بِمَعْرُوْبَةٍ وَلَا يَمْسُكُوْنَهُنَّ خِيَارًا
لَعَلَّآ يَؤْتِيَنَ لَكُمْ فَعْلٌ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمْتُمْ نَفْسَكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُتُوًا وَادْكُرُوا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِيَتَّبِعُوْهُ وَالْتَقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا

اَنَّ اللّٰهَ يَكْتَلِبُ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ مِّنْهَا رَءْسًا وَّجِبَتْ لَهَا عَزَابٌ شَدِيدٌ
 پوری ہوئے کو آئی اور ان کو رکھو ساتھ نیکی کے یا ان کو اچھی طرح سے رخصت
 کر دو اور ایذا دہی کے لئے ان کو نہ رکھنا کہ اوپر زیادتی کرے اور جو ایسا کر گیا تو البتہ
 ظلم کیا اپنے پر اور اللہ کے احکام کو مہنتی نہ سمجھو اور اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں
 ان کو یاد کرو اور یہ کہ اوسے پندر کتاب اور حکمت اور ان کے ذریعہ سے نصیحت
 کرے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کو جانتا ہے اس آیت سے اللہ
 پاک نے رجعت کا بیان طلاق رجعی میں فرمایا ہے اور اس مضمون کو اللہ پاک نے متعدد
 مقامات پر ذکر کیا ہے جس سے تاکید پائی جاتی ہے حقوق نسائ کی بابت یہاں دعا بیان
 کیا ہے کہ پہلے یوں فرمایا کہ شوہر ایام عدت میں رجعت کا استحقاق رکھتا ہے اور یہاں
 فرمایا کہ جب عدت ختم ہو تب بھی استحقاق رجعت ہے یعنی بعد القضا میعاد عدت
 بھی رجعت کر سکتا ہے تو گویا ہر دو احکامات میں ظاہر اختلاف ہے اس کو مفسرین نے
 اس طرح حل کیا ہے کہ اس آیت سے انقضاء عدت مراد نہیں ہے بلکہ عدت کے آخری حصہ کا
 ذکر ہے یعنی جب شوہر نے طلاق رجعی دی خواہ ایک طلاق یا دو طلاق تو اس کو آخری
 حصہ عدت تک اختیار ہے کہ رجعت کرے بشرطیکہ ایذا رسانی عورت کی مقصود نہ ہو اور امام
 زاہد نے کہا کہ حکم سابق اور موجودہ سے یہ مقصود ہے اور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایام عدت میں
 رجعت کرے بغیر نکاح کے اور بعد القضا ایام عدت رجعت کرے نکاح سے اور بمعرفۃ
 سے اشارہ ہے کہ گواہ کرے تاکہ آئندہ جھگڑا اقصیٰ نہ ہو اور کہا گیا کہ ہنگام رجعت عورت
 کو کچھ دے یا مہرین بڑھادے تو بہتر ہے وقولہ لَعَالِیْہَا تَمْسُکُوْہُنَّ خَمْرًا سے
 مطلب ہے کہ ضرر یا ایذا رسانی کی وجہ سے یا غرض سے رجعت نہ کرے چنانچہ روایت ہے کہ

ثابت بن لیسا نے طلاق دی اپنی عورت کو جب عدت میں تین روز باقی رہے تو حبت
 کر لی پھر طلاق دیدی اس طرح تین مرتبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ایذا رسانی کو حبت
 نہ کرو کہ عورت دوسرے شوہر سے بھی محروم رہے اور تنجاری زوجیت میں بھی نہ آئے
 پس جو شخص ایذا رسانی کو حبت کرتا ہو اور حدود اللہ سے تجاوز ہو تا ہو وہ اپنے
 نفس پر ظلم کرتا ہو کیونکہ وہ اپنے اوپر غضب الہی کو آمادہ کرتا ہو اس فعل سے وقولہ
 لِقَالِی رَکَّعَتَيْنِ فَإِذَا آیَاتُ اللَّهِ مُسْتَوَا سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو
 مذاق نہ سمجھو یا مذاق سے اسکا عمل درآمد نہ کرو مُسْتَوَا لعب و ہزل کے معنی میں آتا ہو
 یعنی مذاق کے معنی میں استعمال ہوتا ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ طلاق و عتاق و نکاح وغیرہ کو مذاقاً
 نہ کرو یا وہ الفاظ جن سے طلاق و عتاق و نکاح واقع ہو جاتا ہو اُن الفاظ کو مذاقاً
 نہ لے لائے جیسا کہ ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے فرمایا ہو کہ تین
 امر صحیح کہنے سے بھی واقع ہو جاتے ہیں اور مذاقاً کہنے سے بھی واقع ہو جاتے ہیں ایک
 نکاح دوسرے طلاق تیسرے عتاق کہتے ہیں کہ ایک شخص نکاح کرتا تھا اور طلاق دیتا تھا
 اور عتاق بھی کر دیتا تھا اور پھر کہہ دیتا تھا کہ میں تو مذاق کرتا تھا چنانچہ اسکا مفصل
 ذکر کشاف اور بیضاوی میں ہو اور قولہ لِقَالِی رَکَّعَتَيْنِ فَإِذَا آیَاتُ اللَّهِ مُسْتَوَا سے یہ
 مراد ہو کہ اللہ پاک نے جو نعمتیں مثل نزول قرآن مجید اور نبوت حضرت سرور کائنات
 وغیرہ کا وعایت فرمائی ہیں اوں کا شکر ادا کرو اور اُن کے حقوق ادا کرو اور کتاب و سنت
 پر عمل درآمد رکھو کیونکہ پہلی امتوں کو ایک بیوی کی اجازت تھی جب تک کہ ایک بیوی
 زندہ رہتی دوسری بیوی نہیں کر سکتے تھے اور تم کو چار بیویوں تک کرنے کی اجازت
 دی گئی تو اسکی شکر گذاری میں تم حق ادا کرنے میں مستعد رہو اور احکام الہی سے

غافل نہوا کے بعد ذکر فرمایا اللہ پاک نے نکاح کا بعد عدت کے قولہ تعالیٰ وَإِذَا
 طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَا تَحْزَنْ أَنْ يَتَّخِذْنَ مِنْ بَعْدِ مَا طَلَّقْتُمُوهُنَّ مَا لَهُنَّ مِنْ دُونِ مَا أَنْتُمْ بِمُتَحَدِّثِينَ
 بِالْمَعْرِفَةِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ أَزْكَى لَكُمْ
 وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ترجمہ اور جب تم طلاق دید و عورتوں کو اور وہ اپنی
 مدت پوری کر لیں اور جائز طور پر آپس میں ان کی مرضی مل جائے تو ان کو شوہروں کے
 ساتھ نکاح کر لینے سے نہ روکو یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو تم میں اللہ اور روزِ آخرت
 پر ایمان رکھتا ہو یہ تمھارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات اور صفائی کی ہے اور اللہ جانتا ہے
 اور تم نہیں جانتے اس آیت کا یہ منشا ہے کہ بعد انقضائے عدت دوبارہ نکاح شوہر اول
 سے کر لیا جائے تو یہ نکاح ہوگا نہ رحبت تو اس پر اولیاء عورت کو اللہ اور کرنا نہیں چاہیے
 اور امتناع ناجائز ہے چنانچہ روایت ہے کہ معقل بن یسار کی ہمیشہ عبد اللہ بن عامر
 کے نکاح میں تھی اسے طلاق دیدی جب عدت ختم ہوئی تو اسے پھر عقد کرنا چاہا
 تو معقل بن یسار نے کہا کہ واللہ میں اپنی ہمیشہ کو تمھارے نکاح میں نہیں دوں گا کیونکہ
 تم نے اس کو پہلے طلاق دیدی تھی اور تمھاری اس کی موافقت نہیں ہوئی یہ آیت
 نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ جابر بن عبد اللہ کی بابت یہ آیت نازل ہوئی جب اس نے
 ایسا ہی معاملہ پیش آیا اس کو کثافت نے لکھا ہے تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ایسے
 اولیاء عورت اگر شوہر نے اس کو پہلے طلاق دیدی اور پھر بعد ختم عدت کے نکاح کر نیکی
 خواہش کی تو تم مانع مت ہو جیکہ وہ دونوں باہم راضی ہوں لیکن بحالتِ مرضی طریقین
 اولیاء عورت کو نقص و مانع کا حق حاصل نہیں البتہ اگر مہر وغیرہ میں مرضی نہ ہو تو
 اولیاء عورت عقد نکاح میں مانع آسکتے ہیں دوسری صورت یہ ہوگی کہ اللہ پاک

شوہر ان سابق تو مخاطب کرتا ہے کہ اسے شخص و اگر تم عورتوں کو طلاق دیدو اور بعد انقضائے عدت وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہیں تو تم مانع نہ ہو یہ توجہ ہے اگرچہ نشان نزول کے خلاف ہی جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے مگر نظم قرآن کے موافق ہے کہ کسی نے کسی شخص کے سفار یا محذوف کر کے کی ضرورت نہیں پڑتی اور صاحب ہدایہ نے اسے ایک کو اختیار کیا ہے اور صورت اولیٰ کو صاحب بنیادی نے اختیار کیا ہے پھر باعتبار اسے اولیٰ النکاح و نکاح الفاظ سادہ سے ناجائز ہی جیسا کہ خیال کیا اس کو امام شافعی نے اور باعتبار معنی ثانی جو صاحب ہدایہ نے اختیار کئے ہیں اس سے انعقاد نکاح الفاظ سادہ سے ہو سکتا ہے جیسا کہ خیال کیا اس کو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے اور میری رائے میں اہل بیت سے شوہر سابق و شوہر حال در دون مخاطب ہیں یعنی جب شوہر اول طلاق دیدے تو بعد انقضائے عدت جس شخص سے رہی ہو نکاح کرے اس شوہر سابق کو ممانعت کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ شوہر ثانی جب طلاق دیدے اور عورت شوہر اول سے نکاح چاہے تو شوہر ثانی کو ممانعت کا حق حاصل نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے اور اوسکا نفقہ و لباس واجب ہونیکا ذکر کیا قولہ

لَتَالِی وَالْوَالِدَاتُ یَرْضَعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَاَمْلَیْنِ لَیْنِ اَرَادَ اَنْ یَّتِمَّ الصَّغَارَ

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ وَّلَا وُسْعُهُمَا اَنْ یَصْغَرَ

وَالِدًا لِّلْاُولَادِ لَمْ یُولَدْ لَهُ لِوَالِدٍ ۚ وَعَلَى الْاُولَیِّیْنَ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَدَا اَوْ فِضْلًا

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا اِنْ اَرَدَاْ تَحْلَانَ لَسْتَ تَرْضَعُوْا اَوْلَادَکُمْ فَلَاحْجَا

عَلَیْکُمْ اِذَا سَلِمْتُمْ مَّا اَیْتَمُّ بِالْمَعْرُوفِ وَقُلُوْا لِلّٰهِ وَالْعِلْمُ اِنَّ اللّٰهَ یَاْعْمَلُوْنَ بِصَیْرِ زَرْعٍ

اور جو شخص پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو اوسکی خاطر ماہین اپنی اولاد کو پورے

دو برس پلائیں اور جبکہ وہ بچہ ہو تو سپرد دستور کے مطابق ماؤ نکال کر کھانا کھا کر پیرا دینا لازم
 ہو کہ سیکو تکلیف نہ دی جائے مگر وہیں تک کہ اون کی گنجائش ہر ماں کو اس کے بچہ کی
 وجہ سے نقصان نہ پہنچا یا جائے اور نہ اس کو جبکہ بچہ ہو اس کے بچہ کی وجہ سے اور
 وارث پر بھی ایسا ہی ہو پھر اگر دولون اپنی مرضی اور صلاح سے دودھ چھڑانا چاہیں
 تو اوپر کچھ گناہ نہیں ہو اور اگر تم اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ
 جو تمہنے دستور کے مطابق دینا کیا تھا حوالہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ
 جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ دیکھتا ہے واضح ہو کہ جب پروردگار عالم نے عام مثلقات
 کا بیان مفصل فرمادیا تو اب اون غور تو نکھا ذکر کیا جنکو سبالت ایام شیر خورانی طلاق
 ہو تو اس آیت میں وہ مسائل ہیں جن سے بچہ کا حق والدین پر اور میعاد شیر خورانی اور
 دودھ پلانوالی کا نان و پیارچہ واجب ہونا بچہ کے والد اور اولیا پر ظاہر ہوتا ہے
 اور دیگر مسائل کو شامل ہو چنانچہ یَرْضَعْنَ اَوْ كَهْدْنَ سے پایا جاتا ہے کہ بچہ کی ماں پر دودھ
 پلانا واجب ہے باوجودیکہ ایسا نہیں ہو تو یہ معنی ہونگے کہ امر کا صیغہ یہاں بجائے خبر
 کے لایا گیا ہے یا یہ معنی ہونگے کہ جن بچہ کا باپ یا وارث دودھ پلانے کی طاقت نہ رکھتا
 ہو یا دایہ وغیرہ میسر نہ آئے یا بچہ بچہ اپنی والدہ کے دوسری عورت کا دودھ نہ پئے تو
 والدہ پر دودھ پلانا واجب ہوگا تو منئے اول امام زاہدی نے اختیار کئے ہیں اور منئے ثانی
 صاحب ہدایہ نے مختار گردائے ہیں اور مدت شیر خورانی میں بھی اختلاف ہو چنانچہ امام
 ابو حنیفہ علیہ الرحمہ ڈھائی برس کہتے ہیں اور سورۃ احقاف کی آیت کو دلیل میں لاتے ہیں اور
 امام شافعی علیہ الرحمہ اور صاحبین دو برس کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے حَوْلَيْنِ کا میلین فرمایا یعنی
 پورے دو برس اور ہمارے خیال ہے کہ ماں کو سبالت مجبوری مذکورہ سابقہ صرف دو برس

دودھ پلانا واجب ہے اس سے زیادہ دودھ پلانے تو احسان ہے بچہ پر کسی طرح اس سے
یہ بھی نتیجہ نکلے کہ باپ کو بچہ کی پرورش کے واسطے دیر یا دودھ پلانے والی عورت صرف
دو ہی سال ملازم رکھنا واجب ہے اس سے زیادہ رکھنے تو بچہ پر احسان ہے بہر دو صورت
نتیجہ یہ ہوگا کہ دودھ پلانا یا دودھ پلوانا دو ہی سال واجب ہے مگر زفر علیہ الرحمہ نے تین
تین سال قرار دیئے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بوجہ ہشتادہ ڈھائی سال قرار دیئے
بخیال حرمت نخلح کے دودھ پلانے والی سے کیونکہ جسے اس مدت میں دودھ پلایا وہ
بچہ کی مان اور اسکا شہر بچہ کا باپ اور اسکی لڑکی اسکی بہن ہوئی اور اسے نخلح
ناجا کر ہوا اور قولہ تعالیٰ اَحْمِلْهُ وَفِصَالُہٗ ثَلَاثُونَ شَهْرًا یعنی حمل میں رہنا اور دودھ
چھوڑنا کل تیس ماہ کی مدت میں ہے تو صاحب ہدایہ نے کہا ثَلَاثُونَ شَهْرًا خبریہ ایام
شیر خورانی کے یعنی ثابت درجہ حمل میں بچہ تیس ماہ تک رہتا ہے اور غایت درجہ بچہ کو
تیس ماہ تک دودھ پلانا چاہئے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ دو سال
سے زیادہ بچہ حمل میں نہیں رہتا تو اس روایت کی رو سے مدت حمل میں بجائے ڈھائی
سال یعنی تیس ماہ کے دو ہی سال رہ گئے مگر ایام شیر خورانی میں کوئی وجہ کمی کی نہ پائی
گئی تو مبعاد تیس ماہ یعنی ڈھائی سال بحسنہ قائم رہے مگر صاحبین نے کہا کہ تیس ماہ
مجموعی مدت حمل و شیر خورانی ہے یعنی اس مدت میں حمل بھی پورا ہو جاتا ہے اور ایام شیر خورانی
بھی پورے ہو جاتے ہیں پس ان تیس ماہ میں سے دو سال اس نص کی رو سے مبعاد
شیر خورانی ہے باقی چھ ماہ اقل مبعاد حمل ہے قولہ تعالیٰ وَ عَلَى الْمَوْلٰوِ لَہٗ رِزْقٌ یعنی
بچہ کے والد پر یا وارث پر واجب ہوگا کہ بچہ کی مان کو خواہ زوجیت میں ہو خواہ مطلق ہو
یا دودھ پلانے والی عورت کو مان و پارچہ حسب حیثیت ایام شیر خورانی میں دیتا رہے

کیونکہ بالمعروف فرمایا ہے تو گویا یہ لفظ امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف ہے کہ سوائے کہ انصاف
 بچہ کی مان کے واسطے یا وودہ پلانے والی کے واسطے نفقہ کا تقرر دو مہینہ یا دو تیرہ مہینہ کر دیا
 جو بالمعروف کا منشاء نہیں ہو سکتا خلاصہ یہ ہو کہ والد پر دو سال بچہ کی مان کا نان و نفقہ
 بقدر حیثیت اتنا واجب ہے جس قدر غیر وودہ پلانے والی عورت کا واجب ہے پس اگر غیر عورت
 بھی ایک اجرت مقرر پر رہنی ہو اور اسی اجرت پر بچہ کی مان راضی ہو تو بچہ کی مان افضل اور
 احق ہو نسبت غیر عورت کے اور اگر میاں مقررہ سے یعنی دو سال سے زیادہ بچہ کو
 بچہ کی مان بلا اجرت وودہ پلانا چاہے تو بچہ کے والد کو جزا وودہ چھڑانے کا اختیار
 نہیں ہے بچہ بھی مضمون صاحب ہمارے اور اہل فقہ نے لکھا ہے اور صاحب بیضاوی
 نے والیات کو عام گردانا ہے خواہ وحصل زوجیت ہوں یا طلاق دی گئی ہوں اور اسی پر
 بہت سے مفسرین نے اتفاق کیا ہے اور شیخ عصام نے والیات کو مطلقاً یعنی صرف
 طلاق دی گئی عورتوں سے مخصوص کیا ہے کیونکہ جو عورتیں وحصل زوجیت ہوں تو اونکا
 نان و پارچہ تو باعتبار زوجیت ہی واجب ہوگا انکے ذکر و جو بی نان و پارچہ کا یہاں
 کیا موقع تھا اور وہی المولود لہ سے اس امر کا اشارہ ہے کہ عورت کا بچہ جنبا اسکے والد
 کے واسطے ہی یعنی بچہ کا حقیقی وارث والد ہی دوسرے بچہ سے والد کا نسب چلتا ہے نہ کہ
 والدہ کا اور قولہ تعالیٰ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ مَا عَلَى الْوَالِدِ اگر والد فوت ہو جائے
 تو جو اسکے مال کے وارث ہوں وہی بچہ کے ولی ہونگے اوپر بھی مثل والد متوفی کے بچہ کی
 پرورش اور وودہ پلانے والی یا بچہ کی مان کا نان و پارچہ مثل والد متوفی کے واجب ہوگا
 ورنہ ان کے بقیں میں اہل فقہ کا اختلاف ہے تو ابی یسلی کے نزدیک تمام وہ لوگ جو ورثہ پائیں
 مال منزوکہ سے مستحق ہیں پرورش بچہ کے اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک صرف ذی رحم

محرم مستحق ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور ابو زید کے نزدیک صرف عیسات مستحق ہیں اور اس کی
 مستقل کیفیت اور فقہاء کے باہمی اختلافات کتب فقہ میں تشریح کے ساتھ درج ہیں چنانچہ
 ہدایہ میں اس مسئلہ پر بہت طویل بحث کی گئی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شوہر منوفی کی
 زوجہ بیوہ کی عدت کا بیان فرمایا قوله تعالى وَالَّذِينَ يَتَوَدَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَعِدْنَ
 اَزْوَاجَهُنَّ لَتَرْفِقْنَ يٰۤاَنْفُسُھُنَّ اَدْبَعًا اَشْھَبَ رَءْشًا اِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ
 فِیْ مَا فَعَلْتُمْ فِی الْفُرُشِھِیْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَاللّٰھُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ مَّرْجُمٌ اور جو لوگ تم میں سے مرد جائز
 اور یہ بیان چھوڑیں تو وہ عورتیں اپنے تین چار مہینہ دس دن روکے رہیں پھر جب
 اپنی رست پوری کریں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اور اسکا پتھر کچھ الزام نہیں اور
 تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ کو اسکی خبر ہو۔ واضح ہو کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شوہر منوفی
 کی عدت بیوہ پر خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ چار ماہ دس روز و شب واجب ہیں جب عدت
 پوری ہو جائے تو انکو موانع احکام شرع نکاح ثانی کرنے کی اجازت ہے اور ہمیں کچھ
 برج نہیں اور سورة الطلاق میں جو آیت ہے کہ اُولَکَ اَتُحْالِ اَجْلَهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
 اس سے ثابت ہے کہ حاملہ عورت بیوہ یا مطلقہ ہو اسکی عدت وضع حمل تک ہو تو ان دونوں آیات میں
 تعارض واقع ہوا ظاہر ہے تو بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہ آیت جس میں عام عدت
 چار ماہ دس یوم ہیں منسوخ ہے آیت طلاق سے پس غیر حاملہ کو چار ماہ دس یوم اور حاملہ کو
 وضع حمل تک عدت کرنا چاہئے اور یہ بھی ایک قسم کا نسخہ ہے کہ اسکا حکم بالکل منسوخ نہیں
 بلکہ اسکی عمومیت منسوخ ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نزدیک
 دونوں میعاد عدت ہیں جسکا زمانہ مقرر نہ ہو بیوہ کو وہ عدت لازم ہے پھر نا چاہئے مطلقہ اگر
 وضع حمل کے واسطے پانچ یا چھ ماہ کی ضرورت ہے تو وضع حمل تک عدت ہوگی اور اگر وضع حمل

دو تین ماہ میں ہو یا سب تو چار ماہ دس یوم عدت ہوگی اس صورت میں دو نذر یا سنت کا
 عمل ہو جائیگا اور نیز اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت خواہ بیوی ہو خواہ
 باندی چار ماہ دس یوم ہوں مگر یہ ہول کے خلاف ہے کیونکہ باندی کا حق نصف ہے بیوی سے
 تو اس صورت میں باندی کی عدت جو حاملہ نہ ہو صرف دو ماہ پانچ روز ہونگے اور بحالت
 حمل وضع حمل تک عدت ہوگی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کا حمل ایسے وقت
 میں بھی وضع ہو کہ اس کا شوہر متوفی ہو تو حیضہ پر ہو ورنہ بھی نہ کیا گیا ہو تو بھی عیست
 پوری ہو چکی ہو سکودو برسے شخص سے نکاح کر لیا جائے ہر کیونکہ عدت چار ماہ تو اس لئے
 ہے کہ چار ماہ میں حمل پورا ہو جائے اور دس یوم اس کے ظاہر ہونے کو اس واسطے مجموعی عدت
 کی میعاد چار ماہ دس یوم ہیں جب وضع حمل ہو گیا تو عدت کی ضرورت نہیں رہی سلمہ اور
 کتابیہ دونوں بیوہ ہمارے نزدیک اس حکم میں یکساں ہیں اور آیت طلاق جو سورہ البقرہ
 کی اس آیت کی ناسخ ہے اگرچہ تلاوت میں مؤخر ہے مگر نزول میں مقدم ہے اور یہ آیت جسطرح
 آیت طلاق سے منسوخ ہو اس طرح آیت وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَنكُم مِّنْ ذَلَّاتٍ مِّنْ أَزْوَاجٍ
 وَصِيَّتَهُ لَازِلًا رَّجَعَهُنَّ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ کی ناسخ ہے کیونکہ اس آیت سے ایک
 سال بجز عدت اور نفقہ کی وصیت واجب ثابت ہوتی ہے تو سال بجز کی عدت چار ماہ دس
 یوم کی عدت سے منسوخ ہو گئی یہاں بھی ازروئے تلاوت ناسخ مقدم اور منسوخ مؤخر واقع
 ہوا ہے مگر باعتبار نزول ناسخ مؤخر ہے اور واجب ہونا وصیت نفقہ کا آیت میراث سے
 منسوخ ہے کیونکہ وہیں عورتوں کو چوتھائی حصہ متروکہ کا ہے جبکہ زوج متوفی کا ولد نہ ہو اور
 آٹھواں حصہ ہے جبکہ متوفی کا ولد ہو تو جس حالت میں متروکہ میں سے حصہ پالیا پھر نفقہ
 ایام عدت میں بیوہ کی واسطے واجب نہیں اور سکونت بھی ثابت نہیں بخلاف مطلقہ کے اسکے لئے

ایام عدت میں نفقہ دینا واجب ہے اور بیوہ عورت یا بابتہ طلاق پائی ہوئی عورت کو جس طرح
 نکاح ایام عدت میں ناجائز ہو کسی طرح اوپر سوگ کرنا واجب ہے مثل ترک کرنے زینت کے
 اور سر میں تیل ڈالنے اور خوشبو ملنے اور سرخ و زعفرانی اور شیشی لباس پہننے اور جہندی
 لگانے وغیرہ کے جو متعلق بناؤں گھار کے ہیں البتہ طلاق رجعیہ میں یہ امور ممنوع نہیں
 بلکہ جائز و مستحب ہیں تاکہ شوہر کی رغبت زیادہ ہو اور فلا جہاۃ علیکم کے مخاطب امام یا حاکم
 یا قاضی ہیں کیونکہ وہی لوگ خلاف امر الہی کام کرنے کو مانع آسکتے ہیں تو گویا خداوند کریم
 یون فرماتا ہے کہ اے اماؤ اگر بیوہ یا مطلقہ عورتیں بعد النقاء ایام عدت حسب رواج
 شریعت اپنا نکاح کرنا چاہیں تو تم مانع نہ ہو اور میں کوئی ہرج نہیں ہے اور تم پر کچھ گناہ نہیں ہے
 اسکے بعد اللہ پاک نے ایام عدت میں پیام نکاح کا ذکر فرمایا قوله تعالیٰ وَلَا جُنَاحَ

عَلَيْكُمْ فِيمَا عَصَيْتُمْ بِهِ مِنْ خِيَاةِ النِّسَاءِ أَوْ اَلْتَمَسْتُمْ فِي الْفَيْسَلِ عِلْمَ اللَّهِ اَلَمْ تَسْتَدْكُرُوْهُنَّ

وَلَكِنَّ لَا تَوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اَلَا اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا تَعْرُوْا فَاَوْ لَا تَعْرِضُوْا عَقْدَ لَا النِّكَاحِ حَتّٰی

یَبْلُغَ الْكِتَابَ اَجَلَهُ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللَّهَ یَعْلَمُ مَا فِی الْفُسْکِ فَاُخْذُ سُرُوْةٍ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللَّهَ
 عَفُوٌّ رَّحِیْمٌ ترجمہ اور گناہ نہیں پتھر جو پردہ میں کہو پیغام نکاح کا عورت کو یا چھپا رکھو اپنے
 دل میں معلوم ہو اللہ کو کہ تم البتہ انکا دھیان کرو گے لیکن وعدہ نہ کر رکھو اولے چھپ کر
 مگر یہی کہ کہد و ایک بات کہ جبکہ رواج ہے اور نہ باندھو گرہ نکاح کی جب تک پہنچ چکے حکم
 اللہ کا اور جان رکھو کہ تحقیق اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہو پس ڈرتے رہو
 اوس سے اور جان رکھو تحقیق اللہ غفور اور حلیم ہے اس آیت سے یہ مراد ہے کہ ایام عدت میں
 نکاح مفسدہ سے جائز نہیں اور نیز پیام نکاح بھی صاف لفظوں میں دینا جائز نہیں البتہ
 تصریحاً یا اشارۃ خواہش نکاح ظاہر کرنا جائز ہے اور اختلاف کیا علماء نے اس بارہ میں

کہ آیا یہ حکم عام معتدہ کی بابت ہو خواہ از روئے طلاق ہو یا از روئے وفات شوہر کے یا
 خاص ہو تو صاحب ہارک وغیرہ نے سکوت اختیار کیا ہے البتہ فقہ میں اسکا ذکر ہو کر عام معتدہ
 سے پیام نکاح دینے میں اجتناب چاہئے اگرچہ یہ آیت بعد ذکر عدت وفات شوہر مذکور ہوئی
 ہو جس سے وفات کی عدت کی تحقیق پائی جاتی ہو اور تقریریں اوسکو کہتے ہیں کہ عورت
 معتدہ سے ایسا کلام کرے جس سے نکاح کا اشارہ پایا جائے مثلاً تم خوبصورت ہو یا نیک
 یا جب مختاری عدت پوری ہو مجھ کو اطلاع دینا وغیرہ پس تقریریں کرنا جائز ہو اور صاف
 نکاح کا ذکر کرنا ممنوع ہو اور قولہ لَعَالَىٰ اَنْ تَوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا سے یہ مراد ہو کہ ایام عدت
 میں یہ بھی نہ کہو کہ میں جماع پر قادر ہوں یا عروسی میں پورا ہوں اور قول معروف کہو لیئے تقریریں
 کرو اور بعض نے کہا کہ قول معروف سے یہ مدعا ہو کہ اوس کلام میں کوئی انحرش ہو جماع وغیرہ
 کا ذکر نہ ہو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قول معروف سے یہ مراد ہو کہ دونوں باہم غیر سے
 نکاح نہ کرنے کا اتفاق کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ سر سے
 مراد نکاح فرمایا ہو اور لا تخرنوا الی الخیر سے یہ مراد ہو کہ جب تک عدت ختم نہ ہو عدت
 نکاح یا عہد نکاح نہ کرو اس بارہ میں اللہ پاک نے سخت سختی فرمائی اور خوف دلایا ہے
 اس کے بعد اللہ پاک نے مہر کا واجب ہونا اور نہ ہونا اور معتدہ کا بیان طلاق غیر دخول بہا میں
 ذکر فرمایا قولہ لَعَالَىٰ اَنْ تَوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَكُمْ مِّنْهُنَّ اَوْ تَفْصِحْنَ
لَهُنَّ فَرِيضَةٌ مِّمَّا مَلَكَتْهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرًا وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرًا مِّمَّا عَمِلَا بِالْمَعْرُوفِ
حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ اِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً
فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَتَّفِقُوْا اَوْ يَتَّخِذُوا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْ عَقْدِكُمْ اَلَا يَتَذَكَّرُ اَنْ يَنْصَحُوا
لِلنَّفْسِ وَالْاَنْفُسِ اِنْ تَبَيَّنَ اَنْ تَتَّفِقُوْا اَوْ يَتَّخِذُوا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْ عَقْدِكُمْ اَلَا يَتَذَكَّرُ اَنْ يَنْصَحُوا

حیرتوں کو جب تک دیکھنا پڑے لگا یا ہو اور انکا کوئی حق مقرر نہ کیا ہو اور ان کو چھین
 دو وسعت واسے پراوے موافق ہو اور تنگی واسے پراوے موافق جو چرخ دستور ہے
 لازم ہر نیک لوگوں پر اور اگر طلاق دے دو انکو یا تھک لگانے سے پہلے اور پھر ایک ہو انکا حق
 تو لازم ہو نصف جو کچھ کہ ٹھہرا تھا مگر یہ کہ درگزرین عورتین یا درگزر کرین جنکے یا تھک لہ
 ہر نکاح کی اور تم مرد درگزر کر دو تو قریب ہی پر ہیزگاری سے اور نہ بھلاؤ آپسکے سلوک
 کو تحقیق اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔ واضح ہو کہ طلاق والی عورتوں کی چار قسمیں ہو سکتی
 ہیں ایک یہ کہ مدخول بہا ہو اور مقررہ ہو یعنی ایسی عورت کو طلاق دی جائے جس سے
 خلوت صحیح ہوئی ہو اور اسکا مہر بھی معین ہو دوسری یہ کہ مدخول بہا ہو اور مہر معین نہ ہو
 یعنی ایسی عورت کو طلاق دی جائے جس سے خلوت صحیح ہوئی ہے مگر اسکا مہر معین نہیں
 تیسری یہ کہ مدخول بہا ہو اور مہر معین ہو چوکئی یہ کہ مدخول بہا بھی نہ ہو اور مہر معین بھی
 نہ ہو پس صورت اول میں کل مہر ادا کرنا واجب ہو گا اور ثانی میں مہر بالمثل یعنی وہ مہر جو
 اس عورت کی قوم یا رشتہ داران قریب میں مقرر ہوتا ہے اور تیسری صورت میں نصف مہر
 مقررہ دینا واجب ہے اور چوکئی صورت میں کچھ بھی واجب نہیں ہوتا مگر کچھ بطور خرچ کے دینا
 چاہئے۔ اور متوان تمام صورتوں میں منتخب ہو مگر جب نصف مہر دیا جائے اسکو منفعہ کی
 ضرورت نہیں اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کل صورتوں میں منفعہ واجب ہے چنانچہ
 قاضی بیناوی نے یہی منصوص گردانا ہے اور ہمارے نزدیک خلوت صحیح حکم وطی کا رکھنا
 ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وطی خلوت صحیح میں ہونا ضرور ہے یعنی اگر خلوت
 صحیح واقع ہو خواہ وطی کیجائے یا نہ کی جائے ہمارے نزدیک کل مہر ادا کرنا واجب ہو گا
 اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر وطی واقع نہ ہو تو نصف مہر لازم آئے گا اور متفہ کی

مقدار غیر معین ہر دست و لے پر اوسکی حیثیت کے موافق اور کم دست پر اوسکی حیثیت کے موافق اور بعضوں نے اوسکا فقر ایک جوڑہ لباس کیا ہے پھر اوس جوڑے میں ہی اختلافات ہیں بعض نے تین پارچے بعض نے دو پارچے قرار دیئے ہیں اور امام شافعی علیہ الرحمۃ نے حاکم اور قاضی کی رائے پر مقدار متعہ کو محمول کیا ہے اور قولہ لِتَعَالَى الْكَلَامُ اِنی اخیر سے یہ مراد ہے کہ اگر عورتین معاف کر دیں یا مرد جو مختار ہے نہ نكاح رکھنے اور توڑنے کا وہ معاف کر دے تو پھر کچھ مہرچہ نہیں اور یہ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شوہر کو مراد لیا ہے کہ وہ اپنا الصفت حق بھی زوجہ کو بخش دے تو روای اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ولی سے مراد ولی ہے یعنی عورت یا اوسکا ولی مہر معاف کر دی تو جائز ہے اور ولی عام ہے جسکو حق ولایت پہنچے اور بعض کے نزدیک ولی خاص باپ ہی ہو سکتا ہے اور أَقْرَبُ لِلشَّقَوَى سے مخاطب گردانا ہے ازواج کو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق یہ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مقصود زوج ہے اور اوس کا عفو کرنا جن اور ولی ہے نسبت عورت کے اوسکے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض احکام نماز کے بیان فرمائے قَوْلِ التَّعَالَى حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمْنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ مَا عَلَّمَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُكْلِفُونَ ترجمہ خبردار رہو نماز سے اوجھ والی نماز سے اور قیام کرو اللہ کے واسطے ادب سے پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیدل یا سوار پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو جس طرح اللہ نے تم کو سکھایا ہے کہ تم پہلے نہیں جانتے تھے اوس طریقہ سے اللہ کو یاد کرو۔ واضح ہو کہ اس آیت سے فرضیت نماز نیچگانہ اور اوس میں قیام کرنا اور سخت خوف کی حالت میں قبلہ کی طرف توجہ کا ساقط ہونا پایا جاتا ہے چنانچہ فرضیت نماز تو حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ سے ظاہر ہے اور امام زاہد نے

حضرت حسنؑ سے روایت کی ہے کہ صلوٰۃ سے نماز نہ چھوڑنا مراد ہی پھر اللہ تعالیٰ کے لئے صلوٰۃ
الوسطیٰ کی تاکید فرمائی کہ تو اس میں جنت لاف واقع ہو اگر وہ کوئی نماز ہو تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ
نے کہا وہ نماز عصر ہے اور ابو یوسفؑ روایت کیا اکابر صحابہ سے مثل حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ
رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ اور حضرت حفصہؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم
کے چنانچہ منصف حضرت حفصہؓ میں الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ القصیرہ و سجۃ یعنی
صلوٰۃ الوسطیٰ عصر کی نماز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس دن کہ
نماز عصر فوت ہو گئی تھی کہ انھوں نے مشغول کر لیا یا جو نماز وسطیٰ سے اللہ کو دو رخ
میں گھروے اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے کہ حضرت سلیمانؑ سے
نماز عصر فوت ہوئی تھی ان روایتوں سے صلوٰۃ الوسطیٰ نماز عصر ہی قرار پائی ہے دوسرے
یہ بھی قرینہ دلالت کرتا ہے رات کی دو نمازوں میں ایک قصر ہو سکتی ہے اور دوسری غیر قصر
اور علیٰ ہذا صبح و ظہر میں ایک قصر اور ایک غیر قصر اور نماز عصر کے وسط میں ہے اور حضرت ابن
مالک و معاویہ بن جبل اور ابوالوامد کہتے ہیں کہ صلوٰۃ الوسطیٰ نماز فجر ہے کیونکہ وہ رات اور دن
اور دونوں قسموں کے درمیان واقع ہوئی ہے اور حضرت ابن عمرؓ اور زید بن اسامہؓ کہتے ہیں
کہ وہ نماز ظہر ہے کیونکہ دن کے وسط میں واقع ہوئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ اور قیس بن
زبیرؓ کہتے ہیں کہ وہ مغرب کی نماز ہے کیونکہ وہ دو جہر و خفا کے درمیان واقع ہوئی ہے اور
بعض نے کہا کہ عشا کی نماز ہے کیونکہ درمیان دو نماز جہر کے واقع ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ
لیلۃ القدر کی طرح غیر معین ہے اور لغت اد نماز نہ چھوڑنا دیگر آیات سے واضح طور پر ثابت
ہوتی ہے چنانچہ آگے آئیگا اب فرضیت قیام اس حکم سے ظاہر ہے کہ قَوْمًا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ
یعنی قیام کرو نماز میں اللہ کے واسطے مطیع یا ذکر رکھو روایت ہے زید بن ارقمؓ نے کہ

ابتداء اسلام میں بحالت قیام لوگ آپس میں بایمن کرتے رہتے تھے اور کوئی شخص لوگوں کو اتار
 تو نمازیوں سے دریافت کرتا کہ اگر مکہ میں پڑھیں تو نمازی جواب دیتے تھے یہ آیت
 نازل ہوئی کہ قیام کرو خاموشی یا اطاعت کی حالت میں یا خدا کا ذکر کرتے ہوئے اور
 آپس میں کچھ بات چیت نہ کرو پس معلوم ہوا کہ قیام معہ قنوت کے فرض ہو پس اگر نماز بلا قیام
 یا بلا قنوت ادا ہوئی تو فاسد ہے اور صاحب ہدایہ نے اس آیت سے صرف فرضیت قیام پر
 استدلال کیا ہے باوجودیکہ قنوت لینے ساکت رہنا اسی سے ثابت ہے اور میناوی
 اور ابن حاجب قنوت سے مراد دعا و قنوت صبح لیتے ہیں جو ان کے مذہب میں ہے کہ نماز صبح میں
 دعا و قنوت واجب ہے اور امام زادہ نے صلوٰۃ وسطیٰ سے نماز صبح مراد لی ہے اور قنوت سے
 دعا و قنوت لیکن یہ ہمارے مذہب کے موافق نہیں ہے کیونکہ ہمارے نزدیک صرف نماز ترمین
 قنوت ہے اور نماز فجر میں ہرگز نہیں اسی واسطے کسی حنفی مفسر نے یہ معنی نہیں لئے اور سقوط
 فرضیت قیام اور سقوط توجہ بجانب قبلہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَإِنْ حَفِظْتُمْ مِنْكُمْ
 اَوْ شِئْتُمْ كُنَّا نَافِيَةً اَنْتُمْ كَرْتُمْ كَوْفُوشْمِنْ كَاہُو یَا كِیْسِ وَرِیْدَے كَا یَا كِیْسِ اَوْ رُفُو فَا كِ شُو كَا تُو یَا وِہ
 ہو یا سوار اور جسطرف منہ ہوا اشارہ سے نماز ادا کرو اور وقت تمیز قیام اور جہت قیام فرض
 نہیں ہے بلکہ میں ہے اور اسی پر صاحب ہدایہ نے لکھا کہ بحالت خوف تنہا تنہا جہت قیام
 منہ ہو رکوع و سجود کو اشارہ سے ادا کرتا ہوا نماز پوری کرے اور محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک
 نماز جماعت سے پڑھنا چاہئے بطریق مذکورہ مگر یہ صحیح نہیں اور اختلاف ہوا اس بارہ میں کہ
 آیا نماز ٹھہر کر پڑھیں یا چلتے ہوئے تو ہمارے نزدیک ٹھہرنا ضرور ہے اور امام شافعی
 علیہ الرحمہ کے نزدیک چلتے ہوئے نماز ادا ہو سکتی ہے اور قولہ لَعَالِیٰ قَادًا اِنْ شِئْتُمْ نَاذِرُ اللّٰہِ
 سے یہ مراد ہے کہ جب وہ خون ریز ہو جائے تو مثل سابق قیام و توجہ جہت قبلہ منہ ور ہے

باقاعدہ امن نماز ادا کرو اور عین نے کہا کہ اس سے یہ مطلب ہو کہ امن حاصل ہوئے کا شکر
 ادا کرو انہی پاک کا ذکر بطور شکر گزاری کرو۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر مسائل عدت
 و طلاق کا فرمایا قولہ تعالیٰ وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ بَيْنَهُمَا فَمِنْ حَتِّ امْرِئٍ بِامْرَأَةٍ
 اَوْ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ وَلِلطَّلُقِ مَتَاعٌ اَبَا الْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ كَذَلِكَ
 بَيَّنَّ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ترجمہ اور جو لوگ تم میں سے مرد جاوین اور بیباں چھوڑ
 میری تو اپنی بیبیوں کے حق میں ایک برس تک کے سلوک اور نہ نکالنے کی وصیت کر میں پھر
 اگر عورتیں بخل کھڑی ہوں تو جائز باتوں میں سے جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا تم پر کچھ گناہ
 نہیں اور اللہ ابر دست حکمت والا ہو اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے ساتھ کوئی طریقہ
 پر بطور وسط سلوک کرنا واجب ہے اسے طبع ظاہر کرتا ہو اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کو
 تاکہ تم سمجھو اَن دُونِ آیتوں میں معتدہ کا نان و نفقہ اور مکان سکونت کا ذکر پہلی
 آیت میں تو شوہر متوفی کی بیوہ کا ذکر ہو کر اس کے واسطے ایک سال عدت کرنا لازم ہے اور ایام عقیقہ کا
 نفقہ و مکان شوہر متوفی پر واجب ہے لیکن اس آیت کے دو نو حکم منسوخ ہو گئے سال بھر کی عدت تو چار ماہ
 اور دس یوم کی عدت سے منسوخ ہو گئی اور نان و نفقہ بوجہ میراث شراکت میراث منسوخ ہو گیا کیونکہ جب
 بیوہ کو چوتھا یا آٹھواں حصہ مال متروکہ متوفی سے ملتا ہے تو نفقہ کا وجوب غیر ضروری
 ہوا۔ ابتدا اسلام میں اسی پر عمل درآمد تھا چنانچہ ایک شخص حکیم بن اشرف طالیف سے
 مدینہ منورہ آئے اور مدینہ طیبہ میں رحلت پائی اور والدین اور زوجہ اور ایک لڑکا چھوڑا
 تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ و سلم نے اوس متوفی کے مال متروکہ کو اونی والدین اور
 بیٹے پر تقسیم فرمایا اور اونی بیوہ کے واسطے ایک سال کے گزارے کے لائق حصہ مقرر کیا

اگر سال بھر عین ترک نہایت وغیرہ کو منع فرمایا یہ عقد منسئل زائد ہی اور سبب میں ہے
پس یہ عین بعد مدت منسوخ ہو گئی اگرچہ یہ منسوخ از روئی تلاوت مؤخر ہو مگر باعتبار نزول
مقدم ہو پس بیوہ کے واسطے نان و نفقہ واجب نہیں بخلات طلاق دی گئی عورت کے
اوسکانان نفقہ ایام عدت میں واجب ہو کیونکہ اوسکو بعد طلاق کو بی حسد متروک نہیں ملتا
اور چونکہ بیوہ کو نفقہ نہیں ملتا اس واسطے اوسکو تحقیق معاش کی غرض سے ذکو یا صغوری
راست کو گھر سے باہر نکلتا جائے یہ بخلات معتدہ مطلقہ کے کہ اوسکو نفقہ ملتا ہو اسلئے اوسکو
نکلتا حرام ہو اسکے بعد سکیم و باد اور طاعون سے فرار نہ ہونیکا بیان
کیا جاتا ہے چنانچہ فرمایا اللہ پاک نے قوله تعالى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ

دِيَارِهِمْ وَهُمْ أَلُوفٌ حَذَّاءَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ترجمہ آیا نہیں دیکھا ایسے شخصوں کو جو خارج
ہوئے اپنے وطن سے موت کے ڈر سے اور وہ ہزاروں تھے پس فرمایا اللہ نے انکو کہ مر جاؤ
پھر زندہ کیا انکو تحقیق اللہ تعالیٰ صاحب فضل ہو ا دیوں پر لیکن اکثر آدمی شکر ادا
نہیں کرتے واضح ہو کہ و باد اور طاعون سے فرار ہونے کی بابت متعدد آیات سے ثابت
ہو اور اس آیت کا قصہ اس طرح ہو کہ ایک دفعہ قبضہ و دان یا قبضہ واسطین و باد پھیلی تو
اکثر لوگ قبضہ چھوڑ کر چلے گئے اور بعض رہ گئے تو جو لوگ گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ
سلامت رہے اور جو گھر وین رہ گئے تھے وہ ہلاک ہو گئے بعد گزرنے ایام و باد کے
پھر لوگ واپس آ گئے اور آباد ہو گئے اتفاقاً دوسری سال بھی و باد پھیلی تو تمام ذکور و
اناث بھاگ نکلے جو فقیر سا کم از کم آٹھ ہزار اور زیادہ سے زیادہ ستر ہزار تھے تو اللہ
پاک نے فرمایا کہ مر جاؤ یا دو فرشتے ظاہر ہوئے ایک زمین سے دوسرا آسمان سے

غرض سب مر گئے تو بس عادی میں وہ سب مر گئے تھے اوسکے قرب و فراق کے لوگ اوسکے
 وطن کے واسطے جمع ہوئے مگر ان کی کثرت کی وجہ سے عاجز آئے اور وہ مردے وہیں
 چڑے رہے یہاں تک کہ اوسکا گوشت پوست سب گل مل گیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں اور ایک
 مدت گزر گئی ایک روز حضرت خرقیل بن سیر یا علیہ السلام اودھر سے گزرے اور جراد بکھا
 تو اودھنوں نے خالق کائنات سے دوبارہ زندگی کی دعا کی خداوند مجیب الدعوات نے
 قبول فرمائی اور وہ سب زندہ ہو گئے اونکی تعداد میں مغیرین کا بہت اختلاف ہے اور بعض
 بجائی حضرت خرقیل قایل لکھا ہے اور بعض نے اون لوگوں کو بنی اسرائیل کہا ہے غرض ظہر
 پروردگار عالم اوس قصہ کی طرف اشارہ فرما کر یوں ارشاد کرتا ہے کہ موت سے فرار ناممکن ہے
 اوساٹے موت کے خوف سے گھر چھوڑ کر نہ بھاگو پس جس طرح اس آیت سے وباء اور طاعون
 وغیرہ سے بھاگنا ناجائز ہے اسی طرح دوسری آیت ولا تفلقوا یا ایہا النکحہ الی النکاحۃ سے
 وباء اور طاعون واسے قصہ میں جانا ممنوع ہے خلاصہ یہ کہ اگر وطن میں وبار وغیرہ ہو تو فرار ہونا
 نہ چاہئے اور جس قصہ میں وبار ہو وہاں جانا نہ چاہئے اور بعض نے کہا کہ قتال و جہاد
 سے نہ بھاگنے کی بابت یہ آیت مازل ہوئی ہے اور اس قصہ کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ لوگ
 بنی اسرائیل تھے اُنکو بادشاہ وقت نے جہاد و قتال کا حکم دیا تھا اوسکے خوف سے بھاگ
 گئے تھے تب وہ واقعہ سابقہ یعنی فرنا اور دوبارہ زندہ ہونا پیش آیا تھا مگر میرے خیال
 میں وبار اور طاعون والا مسئلہ صحیح معلوم ہوتا ہے و ان اعلم بالصواب اب مسئلہ توحید
 وصفات باری تعالیٰ کا بیان ہر چنانچہ فرمایا ان پاک نے قولہ تعالیٰ

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي

الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

البیاض

ترجمہ الشکر و درکار

تہذیب و تہذیب

زمان سعادت و قرآن ترجمہ

نہضت و عربی ترجمہ و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی

و عربی و عربی و عربی و عربی